جلد ۵۹ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۷ء عدد ۱

مضامین

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن سیرت پر ۲۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر دار المصنفین"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

صوبۂ بہار مین ۸۷ فی صدی اکثریت والے لوگون نے ۱۳ فیصدی مسلمانون پر جس "بہادری" اور "دلیری" سے ستم ڈھائے ہین، وہ تاریخ کے صفحات بن چکے، اور اب اُن کے متعلق زمانہ کا مورخ اپنا فیصلہ لکھے گا، اس تباہی وبربادی کے بعد سب سے بڑا سوال اب یہان کے مسلمانون کے مستقبل کا ہے، بہار کے مختلف حصون سے ہمارے یہان یاس انگیز استفسارات آئے ہوئے ہین، اور ہم نے وہان اپنی آنکھون سے بھی دیکھا کہ اچھے اچھے مضبوط لوگون کے قدم اکھڑ چکے ہین، وہ اپنے پشتہا پشت کے آبائی وطن سے ایسے بیزار ہین کہ اُن مین اس کی طرف کوئی کشش باقی نہین رہی، وہ اس مُوطن سے ہمیشہ کے لئے اپنا مُنہ موڑ لینے پر آمادہ ہین جس کی سرزمین پر ایمان کی شعاعین پھیلی ہوئی ہین جس کی فضا مین تکبیر کی صدائین گونجتی ہین، جہان جابجا اولیاء و صالحین کے مآثر و مقابر اور بزرگون کی تعمیر کی ہوئی مسجدون کے مینار بلند ہین، اور انہی آبادیون کے قبرستانون مین اُن کے آباؤ اجداد و دیگر اسلاف محو استراحت ہین،

اُن اسلاف نے کتنی جانفشانیون سے اس علاقہ کو فتح کرکے اپنا گھر بنایا تھا، کیا وہ اس آسانی سے چھوڑ دیا جائے، حق کی راہ مین مرنا اور مارنا تو مسلمانون کی زندگی کا شیوہ رہا ہے، مصائب سے خوف وہراس مسلمان کی شان نہین، اس بدحواسی اور ابتری کے ساتھ ترکِ وطن کرنا میرے خیال مین مسلمانون کو برباد کردے گا، اور اُن کی مزید اقتصادی تباہی کا باعث ہوگا، اس لئے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہے،

ہجرت کی عمومی تحریک تو اُس وقت صحیح کہی جا سکتی ہے جب دو مساوی درجہ حکومتین آبادی کے تبادلہ پر تیار ہو جائین، یا اگر تبادلہ منظور نہ ہو، تو مسلم حکومت یا حکومتین یکسر سب مسلمانون کو اس صوبہ سے اپنے صوبہ یا صوبون مین جگہ دینے اور دوسری سہولتین مہیا کرنے پر آمادہ ہو جائین، ہندوستان اور اس کے موجودہ صوبون مین حکومت کا آیندہ نظام کیا ہوتا ہے، یہ ابھی پردۂ غیب مین ہے، اس لئے اس منزل مین ہجرت کی حوصلہ افزائی کرنا

بڑی ہی ذمہ داری کی بات ہوگی، جو لوگ حالات کا مقابلہ نہ کرسکنے کی وجہ سے اس صوبہ سے ترکِ وطن کرکے جا چکے ہین، انھون نے اپنے پیچھے رہنے والون کو نہین دیکھا کہ اس صوبہ کے مسلمان پہلے سے زیادہ اقلیت مین ہوگئے، یا ہوجائین گے، مسلمانون کو جو کچھ کرنا ہے وہ وحدتِ کلمہ کے ساتھ کرنا ہے، اگر بہار کو آباد رکھنا ہے، تو سب رہین گے، اگر چھوڑ کر نکلنا ہے تو سب نکلین گے، اگر ہجرت اور ترکِ وطن ہی کی نوبت آئی، اور آیندہ اس صوبہ مین مسلم کی جان کی حفاظت کا اعتماد کے لائق کوئی نظام نہ بن سکا، تو پھر وہان کے معابد و مآثر راہ مین حائل نہین ہو سکتے، مسلم کی جان اور اس کا ایمان سب سے زیادہ بیش قیمت ہے، سوال صرف مسلمانون کی اجتماعی طاقت کا ہے، اس کی عدم موجودگی مین جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاک گھر خانہ کعبہ کو بت پرستون کے قبضہ مین چھوڑ کر تشریف لیجا سکتے ہین، تو صوبہ بہار کے مسلمان وہان کی مسجدون اور بزرگون کے مزارون کی حفاظت پر مجبور نہین ہین،

لیکن بحمد اللہ اس صوبہ مین اتنے مسلمانون کی آبادی موجود ہے کہ اگر وہ اپنے انتشار کو دور کرلین، آس پاس کی آبادیون کو ایک مرکزی ادارہ سے مربوط کرلین تو وہ بفضلہ حملہ آورون کا مقابلہ اپنی قوت اور بل بوتے پر کرسکتے ہین، انھین صرف فرمانِ الٰہی وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ع ۸) پر نظر رکھنی، اور اس کی روشنی مین اپنی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کرلینی ہے، تاکہ وہ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ کے مصداق بنین،

صوبہ بہار کے مسلمان ان دنون جس منزل مین ہین، ان کے مستقبل کی راہِ عمل کے لئے سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ سے انھین بہترین رہنمائی مل سکتی ہے، ہندوستان مین اکثریت و اقلیت کا مسئلہ برطانوی حکومت کے آغاز سے عالمِ وجود مین آیا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جہان رہے موجودہ زمانہ کی اصطلاح مین وہ اقلیت مین رہے، مگر ان کا قیام اللہ تعالیٰ کے فضل، اپنی خود اعتمادی اور قوتِ بازو پر تھا، وہ غیر کے سہارے جیتے نہ تھے، ان کی زندگی کسی دوسرے کی اطمینان دہی پر موقوف نہ تھی، انھون نے اپنے اقلیت مین ہونے کے باوجود حکمرانی کی، اور جہان رہے وہان انھون نے اپنے عقیدہ کی پختگی، اپنی سیرت وکردار کی مضبوطی، اپنے اخلاق کی بلندی، اور خصوصاً اپنی قوتِ ایمانی اور اپنے ہمسایون کے ساتھ حُسنِ عمل سے اُن کو اپنا گرویدہ بنایا، اور اکثریت کے افراد کو اپنے مین ایسا جذب کیا کہ ہزارون سے بڑھ کر لاکھون اور کرورون کی تعداد مین ہوگئے،

یہی روش آج بھی اُن کے لئے محمود کہی جا سکتی ہے، لیکن مسلم اقامت گاہون مین مسلمانون کا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنی قوت وطاقت کے بھروسہ پر اطمینان کی زندگی بسر کرنا اس کی اولین شرط ہے، ضروری ہے کہ

بہار مین اندرونی دیہی آبادیون کے مسلمان زمیندار اپنی زمینداریان ختم کرین، بڑے قصبون، آبادیون اور ان کے آس پاس مین رہنے والے مسلمان زمیندار اپنی "خود کاشتہ اراضی" مین دیہی حلقون کے مسلمانون کو بمعاوضہ زمینین دیکر بسائین، اور اپنے سرمایہ سے ان علاقون مین صنعتی کارخانے کھولین، اور اپنے اور نوآباد مسلمانون کے لئے معیشت کا سامان کرین، یہ اور اس قسم کی مختلف تجویزین صوبہ کے مسلمان مفکرین سوچ سکتے ہین، اور بہار کے مسلمانون مین اس وقت جو عام انتشار اور خوف وہراس پھیلا ہوا ہے، اس کو دور کر سکتے ہین،

بہرحال یہ ساری تجویزین صوبہ بہار کے مسلمانون کی آیندہ زندگی سے وابستہ ہین، اور ظاہر ہے کہ اُن کے بروے کار آنے مین کچھ دیر لگے گی، پھر مستقبل مین سیاسیات کے مسائل کس نہج پر طے ہوتے ہین، اس پر بھی نگاہ رکھنی ہے، کہ اسی کی روشنی مین اس صوبہ کے مسلمانون کی قسمتون کا آخری فیصلہ ہونا ہے، سردست ضرورت ہے کہ وہ بڑے قصبون اور آبادیون مین مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رہین، ہجرت کی فوری تحریک کو اس وقت تک کے لئے روک دین جب تک اُن کے لئے بہار کی سکونت کی ہرممکن تدبیر ناکام نہ ہوجائے البتہ وہ لوگ جو اپنے لئے سردست بہار کے بڑے قصبون مین بھی کوئی معاشی سہولت حاصل نہ ہونے یا کسی اور سبب سے قیام نہ رکھ سکین وہ عارضی طور پر کسی دوسرے محفوظ مقام پر چلے جائین، مگر اس صوبہ سے اپنے وطن کا تمام تر تعلق برقرار رکھین، کہ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

صوبہ بہار کے دیہی حلقون کے ان ستم زدہ مسلمانون کی ایک دوسری مظلومیت بھی ذکر کئے جانے کے لائق ہے، کہ وہ جس دین پر قائم رہ جانے کے لئے اپنے گھربار کو چھوڑ کر پردیس مین نکلے ہین اور مختلف اضلاع مین پناہ گزین ہین، وہان ہم نے بڑی حسرت سے دیکھا کہ ان مین کی بڑی تعداد اپنے اس دین کے ابتدائی عقائد ومسائل سے بھی آشنا نہین ہے، ملک کے مختلف گوشون مین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مرحوم کی تحریک سے وابستہ مخلصین کی جماعت اپنے طریق پر دین کی خدمت مین مصروف ہے، کیا اچھا ہو اگر وہ کچھ دنون کے لئے ملک کے دوسرے گوشون کو چھوڑ کر ان مظلومون تک پہنچین، اس وقت ان مین کام کرنے کی آسانیان حاصل ہین، وہ بڑی بڑی تعداد مین یکجا ہوگئے ہین، گاؤن گاؤن جانے کی ضرورت نہین ہوگی پھر مصائب والام سے اُن کے دل خشیت وانابت سے معمور ہین، وہ دین کی باتون کو بڑی شیفتگی اور شگفتگی سے قبول کرین گے، اصلاح زمین موجود ہے، صرف چند باہمت دیندار مخلصین کی ضرورت ہے کہ وہ دین کی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہون، انشاء اللہ وہ توفیق الٰہی سے کامران ہون گے،

مقالات

مجدد ملت
اور
قومیات وسیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

(۳)

تحریک خلافت کے بحران مین خود حضرت علیہ الرحمۃ کی نسبت ایسے ہی حدود ناشناس اخبارون اور لوگون نے لعن وطعن، سب وشتم، کذب وافترا، اور تخویف وتہدید کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، جان تک کی دھمکیان آتی تھین، مگر دیکھو کہ مجدد دین کی دینی حدود شناسی نے صرف علماً نہین عملاً بھی اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرماتے ہین کہ

"یہان تک نوبت آگئی کہ علاوہ لعن وطعن اور طرح طرح کے بہتان والزامات کی دھمکی کے خطوط آتے تھے کہ یا تو شریک ہوجاؤ ورنہ قتل کردیئے جاؤ گے، حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے غایت شفقت ومحبت کی بنا پر ایک خاص معتمد کی زبانی کہلا بھیجا کہ وقت خطرہ کا ہے، اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجایش ہے"،

مگر جو جامع المجددین جامع وکامل دین کی تجدید کے لئے آیا تھا، وہ محض جان کے خوف سے اپنی تجدیدی بصیرت کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا تھا، اور جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ

"یہ آپ کی محبت وشفقت ہے، سب سے بڑا خطرہ جان کا ہے سو اُس کے لئے مین اپنے نفس کو تیار پاتا ہون لیکن اس پر آمادہ نہین ہون کہ بلا نیت شرکت کر لون، اور نہ اس پر قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت

کرون، اور باطن مین الگ رہون، اس کو منافقت سمجھتا ہون"،

فرمایئے کتنے ہین جو سیاسیات حاضرہ مین اس منافقت سے پرہیز فرماتے ہون بلکہ یہ منافقت تو جدید سیاست مین عین مہارت ہے! ایک مقام سے خط آیا کہ آپ کی (حضرت علیہ الرحمۃ) خاموشی (تحریک خلافت کے باب مین) آپ کے چراغ زندگی کو خاموش کردے گی"، فرماتے ہین کہ مین نے اس خط کو ردی کی ٹوکری مین ڈالدیا اور ہود علیہ السلام کا یہ قول یاد آیا :-

"فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم

مجھے بحمد اللہ ان واقعات سے بہت نفع ہوا، مخلوق سے نظر بالکل اٹھ گئی"، (الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

کہنا یہ ہے کہ دشمنون کی دشمنی کے اس بحران مین بھی دین کے مجدد و محافظ کی زبان و قلم سے علماً کوئی ایک کلمہ بھی ایسا سنا گیا یا عملاً کوئی ایک جنبش بھی ایسی دیکھی گئی جو صراط مستقیم یا جادۂ شریعت سے ذرا متجاوز ہو، علم و عمل سب حدود کے اندر اور تجدید دین کے شایان شان نفس مسئلہ کی تحقیق مین تو حدود شناسی یہ کہ نہ کسی کی حمایت یا عداوت کے جوش و غلو مین ایک ظنی مسئلہ کو قطعی قرار دے دیا، نہ اس مین اختلاف کی گنجایش ہوتے ہوے مخالفون کے کفر و فسق یا جہل و ضلالت کا فتوی صادر فرمایا، بلکہ فرماتے ہین کہ

"یہ تعاون و اتحاد شرعاً فی نفسہ نہ واجب ہے نہ حرام، ایک مباح امر ہے، یہان تک تو کوئی اختلاف نہین، اب آگے بعض (یعنی خلافت کمیٹی والون) کی نظر تو حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ہندوؤن کے ساتھ اتحاد کے مصالح و منافع پر پڑی جن کا حاصل کرنا ان کے خیال مین ضروری تھا، اس لئے انھون نے ان دونون باتون کو واجب و جائز کہا اور بعض کی نظر اس عدم تعاون اور اتحاد کے ایسے موجودہ و آئندہ دینی مفاسد و مضار پر پڑی جن سے اجتناب ضروری تھا، انھون نے ان دونون باتون کو ممنوع کہا، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے، بس یہ حقیقت ہے اس اختلاف کی جس سے معلوم ہوا کہ اس کی دونون شقین قطعی نہین بلکہ ظنی و اجتہادی ہین جن مین اختلاف کی گنجایش ہے گو کوئی

چھوٹے درجہ کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم سے اختلاف کرے،

کاش حضرت مجدد وقت کا یہ مجددانہ محاکمہ آج بھی ہمارے علماء اور عوام کے پیش نظر ہوتا تو لیگ، کانگریس اور جمعیۃ وغیرہ کے عوام و خواص علماء و جہلاء مین آپس مین یہ تھوک فضیحت، رسوائی و ذلت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل، سب و شتم کی گرم بازاری کیون ہوتی، اور آج ہی کیا یہ بات تو قومیات، سیاسیات جیسے ظنی مسائل مین ہمیشہ ہی پیش نظر رکھنے کی ہے، مگر کیا کہا جائے، اور کیسے کہا جائے کہ مسلمانون نے اپنے دینی اصول و تعلیمات کو خیرباد کہکر اپنی دنیا بھی کس درجہ ذلیل و برباد کرلی، ورنہ حضرت مجدد وقت نے جو اس وقت سبق دیا تھا، وہی آج اور ہر وقت یاد رکھنے والا ہے، کہ

"بس اس (قسم) کے اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے فریق پر لعن طعن، سب و شتم یا اس کو گمراہ جاہل کہنا یا کافر و فاسق ٹھہرانا یا قولاً و عملاً کسی طرح اس کے ساتھ جبر و تشدد یا ظلم و ایذا کی روش اختیار کرنا، یا کسی بزرگ کا اس کو مخالف و بے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہین"،

(سوانح جلد سوم ص ۱۶۳)

پھر یہ بزرگ (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) بھی آخر بڑے بزرگ و عالم اور محقق ہی تھے، اور گو تحریک خلافت مین من حیث عالم و مقتداے دین ہی کے سب سے آگے تھے، مگر نفس مسئلہ کو کیا قطعی یا حق کو صرف اپنے ہی راے و تحقیق مین منحصر تصور فرماتے تھے، اس کے اندازہ کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہوگا، کہ کسی موقع پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف شان کوئی کلمہ زبان سے نکالا تو فرمایا کہ

"تمھین کس طرح معلوم ہوا کہ جو میرا خیال ہے، وہی صحیح اور حق ہے، اور مولانا تھانوی کا خیال سراسر غلط ہے"،

اتنا ہی نہین بلکہ ان مولوی صاحب کو حکم دیا کہ

"تم نے جس جس جگہ مولانا تھانوی کی نسبت کچھ کہا ہے، وہاں وہاں اُن کی مدح اور تعریف کرو تاکہ اُس کا تدارک ہو جائے"

سُبحان اللہ علمائے ربانین کی شان ہی الگ ہے، (سوانح ص ۱۹۰)

اسی طرح گو حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی تحقیق کی بنا پر ترک موالات وغیرہ کے نام سے جو طریقے تحریک خلافت مین اختیار کئے گئے تھے، اُن سے جیسا کچھ اختلاف تھا کون نہیں جانتا مگر جب مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی نے خود حضرت ہی سے دریافت کیا کہ "ان مسائل مین جب اختلاف ہے، تو مجکو کیا کرنا چاہئے" تو جواب یہ عطا فرمایا گیا کہ حضرت (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) ہم سب کے بڑے ہین، مجھ پر اُن کو ترجیح دینا چاہئے" (سوانح ص ۱۰۳) واقعی اگر نفس و نفسانیت درمیان مین نہ ہو، تو تحقیقی و اجتہادی اختلاف کبھی مخالفت و عداوت کی صورت کیسے اختیار کر سکتا ہے،

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تو حضرت علیہ الرحمہ کے بزرگ اور استادہی تھے، لیکن اپنے معاندین اور سب و شتم کرنے والوں کے ساتھ بھی حضرت نے کیا جائز و "مظلومانہ جبر بالسوء" تک کو جائز رکھا بس فرمایا تو یہ فرمایا کہ "کہو بھائی جو تمھارا جی چاہے، اللہ سے معاملہ ہے، وہ تو دیکھ رہے ہین، تمھارے بُرا بھلا کہنے سے ہوتا کیا ہے، اور میرا ضرر ہی کیا، بلکہ نفع کی توقع ہے، کہ کچھ نیکیاں مل جائین، الحمد للہ مجھے ان تقون مین کسی سے بغض نہین ہوا، البتہ شکایت ضرور ہوئی، وہ بھی دوستون سے مین نے سب کو دل سے معاف کر دیا، جو کچھ کہ چکے وہ اور جو آیندہ کہین وہ بھی میری وجہ سے اگر کسی مسلمان کو عذاب ہوا تو میرا کیا بھلا ہوگا، اور معافی مین تو امید ہے، کہ حق تعالیٰ میرے اوپر رحم فرما دین" (افاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

سبحان اللہ اگر کسی مسلمان مین سچا دین موجود ہے تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت مین خود اپنی راحت اور اپنے پرائے دوست دشمن سب کے لئے کتنی بڑی نعمت و دولت ہے، آج کل کی طرح رد و قدح، قیل و قال، اعتراض و جواب کو بھی ایک آدھ بار کے اتمام حجت سے زائد کبھی پسند نہین فرمایا، فرماتے ہین کہ

"مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤن کی طرف سے بیجا اعتراضات کی بوچھار ہے، جس مین اکثر کا سبب تعصب اور تحزب ہے، جس کے جواب کی طرف احقر نے کبھی التفات نہین کیا، جس کی وجہ کیسی صحیح اور سچی یہ تھی کہ "آج کل جواب دینا قاطع اعتراض نہین، بلکہ اور مطول کلام ہو جاتا ہے، تو وقت بھی ضائع ہوا، اور غایت بھی نہین حاصل ہوئی" (سوانح حصہ سوم ص ۱۵۵)

اس زمانہ مین جن چیزون کو قومیات و سیاسیات کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کا خمیر ہی تمامتر طرح طرح کے مفاسد سے تیار ہوا ہے، تاہم تحریک خلافت کے دوران مین حضرت مجدد وقت نے اپنے انتہائی معاندین و مخالفین کے معاملہ مین بھی یہی علم و عمل کی حدود شناسی و رہنمائی کا جو نمونہ چھوڑا ہے، اگر اسی کا لحاظ رہے تو کم از کم ہم آپس کی اُس شرمناک تو تو مین مین اور ایک دوسرے کی ایذا رسانی و آبروریزی کی رسوائی، اور جگ ہنسائی سے محفوظ رہ سکتے ہین، جو ہماری قومی و سیاسی زندگی کا گویا شعار بن گیا ہے، کہ کوئی اختلاف مخالفت و عداوت بنے بغیر نہین رہتا، نہ علم مین اختلاف رائے کے حدود کا خیال نہ عمل مین اختلاف طریق کا تحمل!

باقی جہانتک ان قومیات و سیاسیات کے نفس مقاصد اور وسائل کا تعلق ہے، تو اسلامی نقطہ نظر سے نہ وہ مقاصد ہی مطلوب ہین، اور نہ مجدد وقت کی نگاہ مین اُن کے حصول کے رائج الوقت وسائل ہی جائز ہین، ہماری قومی و سیاسی جد و جہد کے مقاصد و وسائل سب غیرون کی تقلید مین اور غیرون ہی کی طرح مال و جاہ اور حکومت کی بے قید و بند ترقی اور حصول بن گئے ہین، یعنی وہی علوء فی الارض کا ارادہ حالانکہ اسلام کی تعلیمات پر کون سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے انکار کر سکتا ہے، کہ مسلمان کی زندگی کا مقصود نہ قارون بننا ہے، نہ فرعون اُس کا مرنا جینا تو صرف دین کی ترقی یا اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے، قومی و سیاسی علوء فی الارض کے لئے نہین، بلکہ کلمۂ حق کے اعلاء کے لئے مال و جاہ اور حکومت کے حصول کی اجازت بھی صرف انہی حدود تک اور انہی وسائل سے ہے، جو مرضی حق نے کلمۂ حق کی سربلندی اور دین کی ترقی کے لئے مقرر کر دیئے ہین، "باقی آج کل ترقی کے بارے مین یورپ کی جو تقلید

کی جارہی ہے،" اس کی نسبت ارشاد ہے کہ

"یہ کورانہ تقلید ہے کیونکہ ان کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کے لئے کوئی حد نہیں، اُن کے یہاں
تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے، مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا، اور اسلام تو یقیناً
نہیں کہہ سکتا، اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے.... یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں، بلکہ
جہل و حماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہو جاتا ہے، یہ ترقی نہیں
بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے، وبال جان ہے، کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد نہیں، وہ کسی حد پر مطمئن نہیں[1]"

جس کو عافیت و اطمینان کی کچھ قدر ہے، اور قدر اصل میں اسی کو ہو سکتی ہے، جو جاہ و مال کی مادی
ترقی یا خالص دنیا طلبی سے ماورا کوئی اور اعلیٰ مقصد حیات سامنے رکھتا ہو جس کے حصول کے لئے وہ لازماً
فرحت و عافیت کا طالب ہوگا، اور مادی و دنیوی حاجات پر از خود بقدر ضرورت اور حدود کے اندر قانع
رہے گا، ورنہ ترقی کے اس "ہیضہ اور وبال" سے نجات پانے کی کیا صورت ہے، جس کا اس عالمگیر و عالم سوز
جنگ نے سارے عالم کو مزہ چکھا رکھا ہے، اور مزہ یہ ہے کہ پھر بھی نہ یورپ کی آنکھیں کھلیں، نہ اُس کے اندھے
نقالوں کی، بلکہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہر راستہ سے مادی حرص و ہوس کا جنون تیز سے تیز تر ہو گیا ہے،
اور صاف ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ کی سُنت اللہ اُن کی ہلاکت کا ترقی
کے اسی ہیضہ اور حرص و ہوس کے اسی جنون کی راہ سے فیصلہ فرما چکی ہے!

زیادہ حیرت و حسرت اسلام کا نام لینے والوں پر ہے، کہ جو کتاب و سُنت کی عینک رکھتے ہیں، اُن
جواس دور میں خود دین اور عینک کی امانت سے ساری دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے اُمتہ مبعوثہ بنائے
گئے تھے، وہ بھی آگے ہونے کے بجائے ان اندھوں کے پیچھے ہوتے ہیں، اور مال و جاہ اور حکومت و سلطنت
کی اسی حرص و ہوس کو ترقی کے پُر فریب نام سے معراج کمال سمجھنے لگے ہیں، جس کی بقول حضرت مجدد و ملت

---

[1] دعوت سمی الحدود والقیود،

اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے،

"موجودہ ترقی کا حاصل حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ کاٹ دی ہے صحابہ کرام نے جو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے کبھی ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہیں دی، اور نہ حضور ہی نے کبھی اس
کی تعلیم فرمائی، نہ سیرت میں کوئی ایسا واقعہ ہے، اُن سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی، اگرچہ ساتھ
ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی، جو آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں،

لیکن مقصود صرف دین کی ترقی تھی، چنانچہ اُن کی اس شان کو خود خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

الَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

یعنی یہ وہ لوگ ہیں، کہ اگر ہم ان کو زمین پر
قبضہ دیں، تو یہ نماز ادا کرتے رہا کریں
زکوٰۃ دیتے رہیں، اور بھلائیوں کا حکم اور
برائیوں سے روک ٹوک کرتے رہا کریں،

یہ ہے ترقی کے بعد اُن (سچے اور پکے مسلمانوں) کے خیالات کا نقشہ! اب ذرا آج کل جن چیزوں
کو ترقی کہا جاتا ہے، اسلام کی نظر میں اُن کی تفصیل و تحقیق مجدد و اسلام کی نظر سے ملاحظہ ہو:-

جس ترقی کو لوگ ترقی کہتے ہیں، اس کے تین حصے ہیں، مال، عزت اور حکومت، آج کل
دوسری قوموں کے سامان عیش دیکھ کر مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے، مگر یہ نہیں جانتے کہ بھلائی اُن
سلامتی اسی میں ہے کہ اُن کو دنیا زیادہ نہ ملے، ورنہ رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے اور آخرت
سے غافل ہو جاتے،"

"صحابہ کرام سے بڑھکر کون نیک نیت ہوگا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خود صحابہ سے فرمایا
کہ تمہاری کیا حالت ہوگی، جب کہ میرے بعد سلطنتیں اور شہر فتح ہوں گے، اور تمہارے پاس
زیادتی کے ساتھ مال و سامان، غلام اور نوکر ہوں گے، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے

باقی مال کو خود قرآن مین جو کہین کہین خیر یا بھلائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، تو ارشاد ہے کہ

"اس کی بھلائی ہونے کی شرطین اور حدود ہین جن کی رعایت نہین کی جاتی، اس لئے ہر مالی ترقی کو بھلائی کی ترقی نہین کہہ سکتے، اور جس درجہ مین مالی بھلائی ہے، اُس درجہ ترقی کو ہم بھی نہین روکتے، جائز بلکہ فرض کہتے ہین، حضور کا ارشاد ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال مال کمانا اور فرضون کے بعد فرض ہے"

اسی طرح عزت وجاہ کی ترقی کی نسبت ارشاد ہے، کہ وہ بھی حدود کے اندر نہ صرف مطلوب ہے بلکہ انحصار کے ساتھ اللہ و رسول کے بعد صرف مومنین ہی کا حق یعنی وہی صحیح و اعلیٰ عزت جو اللہ و رسول کے ساتھ تعلق اور ایمانی شرائط و حدود کے تحت حاصل ہو، چنانچہ خود

"حق تعالیٰ فرماتے ہین، وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کہ عزت تو بس (حقیقی و کامل) اللہ ہی کے لئے ہے، اور اُس کے رسول کے لئے اور مسلمانون کے لئے بھلا جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہو وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا،

"اصل یہ ہے کہ عقلی طور پر انسان کو دو چیزون کی ضرورت ہے، نفع کا حاصل کرنا، اور ضرر سے بچنا، آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے، یا تو نفع حاصل کرنے یا ضرر سے بچنے کے لئے، دوسری بات یہ سمجھئے، کہ ضروری چیزون کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہین، تو اُس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل کرنا ہے مال فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور عزت ضرر سے بچنے کے لئے، مثلاً ایک معزز آدمی اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا ہے ذلیل و کمینہ آدمی کی طرح نہ تو کوئی اُس کو بیگار مین پکڑ سکتا ہے، اور نہ ذلیل کر سکتا ہے"

"اس سے معلوم ہوا کہ عزت و مال دونون حاصل کرنے کے قابل ہین، مگر وہی کہ طریقہ سے ہون شریعت کی حد مین رہ کر ہون، باقی جو لوگ مال و جاہ کی بُرائی کرتے ہین، اُن کا مطلب اِن کی محبت سے منع کرنا ہے، محبت بھی وہ کہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ مال و عزت

عرض کیا یا رسول اللہ اُس وقت ہم عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائین گے، اور مشقت سے بچ جائین گے، حضور نے فرمایا کہ تمھاری یہی حالت اچھی ہے، جو آج کل ہے،"

"جب صحابہ کے لئے حضور نے دنیا کو زیادہ پسند نہین فرمایا تو اورون کے لئے کب پسند فرماوین گے، اس لئے مسلمانون کو دوسری قومون کا مال دیکھ کر مال نہ چکنا چاہئے، اولٰئِکَ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ فِیْ حَیٰوتِھِمُ الدُّنْیَا، یہ تو وہ لوگ ہین، جن کو ان کی نعمتین (جو کچھ بھی تھوڑی بہت ملنا تھین) دنیا ہی کی عارضی زندگی مین دے کر (ختم کر دی گئین) اور آخرت مین اِن کافرون کے لئے عذاب ہی عذاب ہے، اور مسلمانون کے لئے تو دائمی راحت جنت مین ہے، دنیا مین تو ان کو بس اتنی ترقی چاہئے کہ پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، ستر ڈھانکنے بھر کا کپڑا، اور رہنے کو مختصر سا مکان، اور اتنا الحمد للہ بہت مسلمانون کو حاصل ہے، صحابہ کو حضور کے زمانے مین اتنا بھی حاصل نہ تھا تو ہم تو اُن کے مقابلہ مین گویا بادشاہ ہین،

"ارشاد نبوی ہے کہ

مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًا فِیْ جَسَدِہٖ آمِنًا	یعنی جو شخص اس حالت مین صبح کرے، کہ
فِیْ سِرْبِہٖ عِنْدَہٗ قُوْتُ یَوْمِہٖ	بدن مین صحت ہو، دل مین بے فکری ہو،
فَکَاَنَّمَا خِیْزَتْ لَہُ الدُّنْیَا	اور ایک دن کا کھانا اُس کے پاس ہو تو گویا
بِحَذَافِیْرِہَا،	اُس کو تمام دنیا مل گئی،

آج کل کے **ترقی** پسند مسلمان **تنزل** کے اس وعظ کو خدا ہی جانتا ہے، کہ کس پیچ و تاب کے ساتھ سُن رہے ہون گے، مگر اس رنگ کو ذرا آزما دیکھین تو معلوم ہو گا، کہ دل کس طرح زندگی کے پیچ و تاب اور کڑھن سے پاک ہو گیا، کچھ نہین تو آزما ہی کے دیکھ لیا جائے،

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ۔۔۔ آزمون را یک زمانے خاک باش

کی ہوس مین حق تعالیٰ کے حکمون کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے،

خود ارشاد ہے:۔

قل ان کان آباءکم وابناءکم	فرما دیجئے کہ اگر تمھارے باپ بیٹے، بھائی بیویان
واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم	کنبہ اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے، اور تجارت
واموال اقترفتموھا وتجارۃ	جس کے رک جانے سے تم ڈرتے ہو اور گھر جن کو
تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا	تم پسند کرتے ہو، یہ چیزین اگر تمھارے نزدیک
احب الیکم من اللہ ورسولہ و	اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ مین
جہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی	جہاد سے زیادہ محبوب ہین، تو پھر تم اللہ تعالیٰ
اللہ بامرہ،	کے حکم (یعنی اس کی قدرتی سزا اور عذاب)

کا انتظار کرو۔"

بس مسلمان کے لئے مال و دولت عزت و حکومت سب کی طلب و حصول کے حدود و شرائط کا کلی اصول اور بے خطا کسوٹی یہی ہے، کہ جب اور جس درجہ مین بھی یہ چیزین انفرادی یا اجتماعی راہ سے، راہ حق مین حائل ہون اُن کی محبت خدا و رسول کی محبت و فرمانبرداری پر غالب یا شریعت کی اطاعت مین مزاحم ہون وہی اسلام کی نگاہ مین ملعون و مذموم دنیا طلبی ہے، یہی حال حکومت و سلطنت کا ہے، کہ

"شریعت مین خود حکومت مقصود ہی نہین، بلکہ مقصود مُلاپن ہی ہے، اور ملاپن ہی کا پھیلانا حکومت وسلطنت سے بھی مقصود ہے یعنی جو ایمان سے محروم ہین، اُن کو اس کے ذریعے ایمان سے مالا مال کیا جائے، یا اپنے ساتھ ملا کر (یعنی ذمی بنا کر) رکھا جائے تاکہ وہ ایمان و شریعت کے نور کو دیکھین اُن کی آنکھیں کھولین۔"

"یہ نماز روزہ یا مُلاپن ہی تو تھا جس کے پھیلانے کی خاطر حضرات صحابہ کے نے حکومت کو پسند

فرمایا گیا، کہ اگر ان کو سلطنت و حکومت عطا ہو تو وہ اوس کو اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، اور بھلائیون کے پھیلانے اور برائیون کے روکنے مین استعمال کرین گے، (الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر)

"حاصل یہ کہ مال، عزت و حکومت، تینون کی ترقی سے اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو، تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہو گی، یعنی یہ تینون ترقیان شریعت کی حد مین ہون جن سے کسی حکم شریعت کے خلاف نہ لازم آئے، تب تو یہ بھلائی کی ترقی ہے، ورنہ پھر برائی کی ترقی، اور بہت بری، اور خالص حرص ہے، جن کا نام لوگون نے ترقی رکھ لیا ہے تاکہ یہ عیب چھپا رہے، اور پھر اس کی کبھی اصلاح بھی نہ ہو سکے۔"

غیرون سے مطلب نہین، لیکن اپنون سے ضرور اتنی درخواست کا جی چاہتا ہے، کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچین کہ آج کل کی قومیات و سیاسیات مال و جاہ یا حکومت کے لئے جو بھی دوڑ دھوپ ہے، اس مین اللہ و رسول کی محبت و اطاعت کا کتنا حصہ ہے، اور یہ دین کے تابع ہے، یا اس پر غالب، غالب ہی نہین، بلکہ اس کی طلب و حرص مین کیا قدم قدم پر، بڑے چھوٹے احکام دین کو انتہائی بے دردی و بے پروائی سے پامال نہین کیا جاتا، نماز تک کا یہ حال ہے کہ کہان تو اسلامی حکومت و سلطنت کی عین غرض و غایت بھی اور خود قرآن کی آیت سے اقامت صلوٰۃ معلوم ہو چکی ہے، اور کہان یہ حال ہے کہ ہمارے قومی سیاسی جلسون اور جلوسون بلکہ خود اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعرون کے دوران مین غفلت ہی نہین، اس بیباکی و جسارت کے ساتھ اضاعت صلوٰۃ ہوتی ہے، کہ نمازون کے وقت پر وقت آتے اور چلے جاتے ہین، اور پاس ہی مساجد مین موذن حی علی الصلوٰہ حی علی الصلوٰہ پکار رہے ہین، کہ آؤ نماز کے لئے، آؤ نماز کے لئے، مگر ہم ہین کہ کانون پر جون تک نہین رینگتی، نہ لیڈرون کے اور نہ پبلک کے، نہ عوام کے نہ خواص کے، اگر ہمارے یہ قومی و سیاسی جلسے اور جلوس واقعی اسلامی ہوتے، "اللہ اکبر" کے نعرون مین اگر

واقعی اللہ کے سب سے بڑے ہونے کا کچھ ادراک ہوتا، اور ہمارا اسلام اگر صرف زندہ باد کے نعروں میں نہیں، بلکہ خود ہمارے دلوں میں کچھ زندہ ہوتا، تو کیا حی علی الصلوٰۃ کے نعرہ کے بعد بھی جلسہ کا پنڈال اسی طرح بے حس و حرکت مجمع سے کھچا کھچ بھرا رہ سکتا، اور جلوس اسی طرح بے فکری سے راستوں پر گذرتے چلے جا سکتے تھے، کہ گویا حی علی الصلوٰۃ کی پکار کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) بھاگو نماز سے بھاگو نماز سے! یہ منظر دیکھ کر بعض دفعہ دل کانپ اٹھتا ہے، کہ خدا ہی اپنے غضب سے محفوظ رکھے، پھر ایسی حالت میں مسلمانوں یعنی اسلام کے احکام و تعلیمات کے آگے سر رکھ دینے کے مدعیوں کی قومی و سیاسی ترقی، ترقی کی پکار کا جو کچھ مطلب اور جو کچھ نتیجہ ہے، دونوں ظاہر اور آنکھوں کے سامنے ہیں! زبان پر ہر وقت اسلام اسلام کا نام اور دعوی کے ساتھ عملاً اسلام کے احکام و تعلیمات کو قدم قدم پر اس طرح ٹھکرانا کیا نصرت و حق کے بجائے قہر و غضب کو دعوت دینا نہیں!

مسلمان خوب یاد رکھیں کہ خدا و رسول کے دامن کو اس طرح جھٹک کر پھر لیگ کانگریس جمعیۃ العلماء کسی کے دامن میں بھی اُن کے لئے پناہ نہیں، دین تو دین غیروں کی کورانہ نقالی میں اُن کے ساتھ جس دنیا کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں، اُس کی ترقی بھی ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی، نہ مال کی نہ عزت کی، نہ سلطنت کی، بلکہ آنکھیں ہوں تو روز بروز افلاس و نکبت محکومی و ذلت ہی کی ترقی ہے، اور یہ حال کچھ تنہا ہندوستان کا نہیں، بلکہ عرب و عراق، ترکی و افغانستان وغیرہ جہاں برائے نام مسلمانوں کی حکومت ہے، وہاں بھی غیروں کی نقالی اور اسلام سے روگردانی کا حشر اس ترقی ...... کے سوا کچھ نہیں،

اس حقیقت پر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ نے مواعظ و ملفوظات وغیرہ میں مختلف طریقوں سے بکثرت تنبیہ فرمائی ہے، اوپر الافاضات الیومیہ کے مجموعہ ملفوظات حصہ سوم (ص ۲۹۰ تا ص ۲۹۵) سے جو اقتباسات نقل کئے ہیں، اور جو مختلف مواعظ سے ماخذ کر کے اسلام و ترقی کے عنوان سے جمع کر دیئے گئے ہیں اُن کا پہلا عنوان یہی ہے، کہ غیر قوموں کی تقلید مسلمانوں کو مفید نہیں ارشاد ہے کہ

"میں یہ نہیں کہتا کہ جو تدبیریں یورپ اور غیر اقوام نے اختیار کی ہیں، ان کا دنیوی کامیابی میں کوئی اثر نہیں، ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کو ان تدبیروں سے فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کے لئے ان تدبیروں کے اثر کرنے میں ایک رکاوٹ ہے، اور وہ رکاوٹ اُن کا خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنا ہے، اور یہ رکاوٹ کافروں کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ان پر جزئی اعمال کی ذمہ داری ہی نہیں، اُن پر تو پہلے ایمان لانے کی ذمہ داری ہے، اور ایمان نہ لانے اور کفر کرنے ہی پر ایسا سخت عذاب ہوگا، کہ جس سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں، باقی عملوں کی نہ اُن سے پوچھ ہوگی، نہ سزا ملے گی،"

اور مسلمانوں سے الحمد للہ کہ کفر مٹا ہوا ہے، اُن سے تو عملوں پر پوچھ ہوگی، اور جب ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں، جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں، تو اُن کو کامیابی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُن تدبیروں سے اثر کو دور کر دیتے ہیں، تاکہ اس کی مخالفت کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں، ہر قوم کی ترقی و کامیابی کا طریقہ الگ ہے، یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو فائدہ دے، وہی سب کو فائدہ دے، اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدبیریں ہمیں بھی فائدہ دیں گی، تب بھی خداوندی احکام کی پیروی فرض ہے، اور ان تدبیروں کا اختیار کرنا ہرگز روا نہ ہوگا، اور وہ فائدہ ہی کہاں رہا کہ جس میں خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اس لئے مسلمانوں میں ان تدبیروں سے ترقی نہیں ہو سکتی، بلکہ اور تنزل ہوگا، اور ہوتا جا رہا ہے،"

راقم ہذا کی فہم میں تو غیروں کا فائدہ اور دنیوی ترقی بھی بس ظاہری ظاہر ہے، ورنہ در اصل اس قرب ترقی ہی کی راہ ...... دنیا میں بھی ان کو ان کی بغاوت کی سزا دے رہی ہے، ساتھ ہی اُن کے نقالوں کو بھی اور اس دور جنگ کے بعد بھی اس بے لگام ترقی ... جو نظر نہیں آ رہی، تو احقر کا ایمان ہے کہ یہ جنگ نہیں قہر خداوندی ہے[1]

---

[1] اگر نمونہ قہر و عذاب یا پیش خیمہ قہر و عذاب کہا جائے، تو بہتر ہوگا، اصل قہر و عذاب تو وہ ہے، جس کی زد میں

جس کا سلسلہ ان مقہورین و معذبین کو ختم کرہی کے ختم ہوگا، اسی پر فریب دنیوی ترقی کی نسبت تو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترقی ہی کی راہ سے عذاب دے کر کافرون کو اُن کی کافرانہ موت کے انجام تک پہنچانا چاہتا ہے

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ"

بس خدارا مسلمانو! تم تو اس سراب ترقی کا فریب نہ کھاؤ، نہ تمھاری یہ ترقی ہے، اور نہ دین سے بیگانہ ہو کر تم دنیا کی کوئی ترقی کر سکتے ہو! ایک وعظ مسمّٰی "بالاخوۃ" مین اتحاد و اتفاق کی شرعی و عقلی تحقیق فرمائی گئی ہے، اس کے سلسلہ مین ترقی کی نقالانہ حقیقت بالا کی نسبت ارشاد ہے، کہ

"اس وقت ہماری حالت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہین، تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے ترقی کی ہو، حضور کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے، نہ اتحاد، حالانکہ ہم کو کفار کی چیزون کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے، لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ...... فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى،

آگے اپنی طرف سے ترقی کا طریقہ بتلاتے ہین کہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى، اس آیت مین نماز کی پابندی اور تقوی کا حکم ہے، اور اس کو کفار کی ترقی کے مقابلہ مین بیان کرنا اس کی دلیل ہے، کہ اسلامی ترقی کا کیا طریقہ ہے، (صفحہ ۲۲)

یعنی وہی کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے، اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا اتباع کیا جائے، جس کا قرآنی اصطلاح مین نام تقوی ہے، اور یہ تعلق و تقوی نماز ہی سے پیدا ہوتا اور نماز ہی سے قائم رہتا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) صرف مجرمین یا اکابر مجرمین ہی آئین، نہ کہ وہ تکوینی آفات و مصائب جن کی لپیٹ میں فاسق و متقی، کافر و مومن سب ہی آجائین، (عبدالماجد)

اسی لئے کفار کی ترقی کے مقابلہ مین اسلامی ترقی کے سب سے پہلے نماز ہی کی پابندی نہ صرف کرنے بلکہ کرانے کی طرف متوجہ فرمایا گیا، کہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ،

"البتہ یہ مطلب نہین کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز وذہی کے ہو رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو"

بس یہی ساری غلطیون کی جڑ ہے، کہ آج کل کی ترقی مین دنیا کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے، اور اسلامی ترقی مین دنیا بالکلیۃ دین کے تابع ہے، البتہ دین کی ضرورت سے دنیا مین مشغول ہونا عین دین ہے، جس کی تمثیل مین ارشاد ہے، کہ

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کھانے کی ضرورت سے کنڈے جمع کئے جاتے ہین، اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے مین تیار ہوا، تو اس کی فہرست مین کنڈے اور لکڑی بھی شمار ہوتی ہین، اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے، تو وہ محض دنیا نہ رہے گی، اب اس کا لقب نِعْمَ الْمَال ہوگا، جس کا لقب پہلے (الدنیا جیفۃ) تھا، کہ دنیا گندی و حرام ہے، بس کسب دنیا ضرورۃً مذموم نہین، ہان مقصوداً مذموم ہے، جیسے کوئی شخص کنڈون ہی کو مقصود سمجھے، اور اُنھی کو کھانے لگے تو وہ احمق ہے، اور ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلا دے تو بڑا عاقل ہے، مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود تو دین کو سمجھو، پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آجائے گی، اور اس وقت وہ دنیا نہ ہو گی، بلکہ وہ بھی دین ہو جائے گی،" (صفحہ ۲۳)

اس کے بعد ارشاد ہے کہ تاریخی طور سے بھی مسلمانون کو دیکھنا چاہئے، کہ اُن کی ترقی کیونکر ہوئی :-

"یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی، کیونکہ ہر قوم کا باطنی مزاج الگ ہے، یہ ضرور نہین، کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو، بلکہ یہ بھی ضرور نہین کہ جو صورت ایک

قوم کے کسی فرد کو مفید ہو، وہ سب افراد کو مفید ہو، چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے، کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے"

"صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہوتی ہیں، ایک طبیب نے کسی گاؤں میں دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور اُن کے اوپر ایک ...... بھرا ہوا چھاچھ کا پی گیا، حکیم صاحب نے کہا اب تیری خیر نہیں، چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہئے تھا، تو گنوار نے اوپر سے چار پانچ روٹیاں اور منگا کر صاف کر دیں، اور حکیم صاحب سے کہا بس تو چھاچھ بیچ میں ہوگئی، حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی تو چاہے بیچ میں کر یا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا، بھلا کوئی شہری بھی ایسا کر سکتا ہے، پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے کیونکر مفید سمجھتے ہیں، یہاں یہ شبہ زائل ہو گیا، کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں، تو کفار کو اُن سے نفع کیوں ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہو گئے ہو تمہارا مزاج شاہانہ ہو گیا ہے، تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی، جو گنواروں کو مفید ہے"

حضرت اہل اللہ کی مثالیں کیسی دلنشین ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہوں، آخر حضرات انبیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ضرب امثالی کا پرتو ہوتی ہیں، ایک اور مثال سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ دنیا میں بظاہر حق تعالیٰ کا کافروں اور نافرمانوں کے ساتھ ترقی کا معاملہ کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مثال .... ہے،

جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اُس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دیجاتی ہے، اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں، اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث دیکھنا نہیں چاہتے، اگر تم ملوث ہوگے تو فوراً دھوبی کے پٹرے پر کوٹے پیٹے جاؤ گے، اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا،

راقم خطا کو تو اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دراصل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و وفاداری کا میثاق و معاہدہ کر رکھا ہے، اس لئے قدرۃً اُن کی نافرمانی و غداری زیادہ مستوجب غضب عتاب ہوتی ہے، رعایا اور غیر رعایا اور رعایا میں بھی عام رعایا اور ان عہدہ داروں کی بغاوت بادشاہ کی نگاہ میں کیسے مساوی ہو سکتی ہے جن کے سپرد سلطنت کا کاروبار کیا گیا ہے اور جو اسی کو ایمانداری سے انجام دہی کے لئے وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں، ان کی تو بادشاہ کی طرف سے اعانت و نصرت اسی وقت تک اور اسی درجہ میں ہوگی جس وقت تک اور جس درجہ میں یہ اپنے عہد و پیمان کو استوار اور اپنی وفاداری کو برقرار رکھیں گے، یہی مسلمانوں کی ترقی اور تنزلی کا تاریخی سبق و تجربہ ہے،

"پس اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوتی تھی جن لوگوں نے حضرات صحابہؓ کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہیں، کہ ان حضرات کو صرف اتباع دین کی وجہ سے ترقی ہوئی، وہ دین میں پختہ تھے، اُن کے معاملات و معاشرات اور اخلاق سب بالکل اسلامی تھے، اس لئے ایک طرف تو دوسری قوموں کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی، اور صحابہ کی حالت دیکھ کر جوق جوق اسلام میں داخل ہوتی تھیں، دوسری طرف اگر کسی نے مقابلہ کیا، تو چونکہ انھوں نے خدائے تعالیٰ کو راضی کر رکھا تھا، اس لئے خدائے تعالیٰ ان کی مدد کرتا تھا، یہی توجہ ہے، کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد و تیاری بڑی بڑی سلطنتوں کو اُن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوتی، (ص ۲۴)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود ...... ساتھ ساتھ آجائے گی، ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پرندہ اور سایہ، تم پرندہ کو پکڑ لو، سایہ ساتھ ساتھ آجائے گا، اور اگر سایہ کو پکڑو گے، تو نہ وہ ہاتھ آئے گا، اور نہ یہ" (صفحہ ۲۷)

ع یزدان بکمند آور اے ہمت مردانہ

تم ایک مرتبہ ہمت کرکے بس خدا کو پکڑ لو، پھر ساری خدائی تمھاری ہے، اور چونکہ دین مین کوئی تکلیف مالا یطاق نہین، اتنی بھی نہین، بلکہ اس کی عشر عشیر بھی نہین جتنی کہ دنیا طلبی مین ہوتی ہے اس لئے دین طلبی یا خدا کو پکڑنا بہت آسان ہے، تم اگر محکوم ہو تو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی تکلیف نہین بلکہ محکوم رہ کر بھی خود اپنے اوپر جس قدر اور جس درجہ مین حکومت الٰہیہ قائم کرنے یعنی احکام شریعت کی اطاعت کی استطاعت ہے، وہ مقدم ہے، اور جس دن تم بہ استطاعت خود اپنے اور اپنے اتباع یا اہل وعیال کے اوپر حکومت الٰہیہ قائم کر لوگے، تو وہی تمھاری حقیقی سلف گورنمنٹ اور ہوم رول ہوگا، اور اس دن کے بعد پھر واللہ ثم واللہ کسی غیر اللہ کی مجال نہین کہ محض اپنی مشین گنون یا ایٹم بمون سے تم پر اپنا حکم چلا سکے۔ مگر تم نے تو عرب وعجم ہر جگہ غیرون سے بھی بڑھ کر مال وجاہ اور حکومت وسلطنت ہی کو بالذات مقصود ومطلوب بنا رکھا ہے، اور غیر مسلم جان ومال کی جتنی قربانی قوم ووطن کے ...... کاذبہ وآلہ باطلہ کے لئے کرتے ہین اس کے پاسنگ بھی تم ...... حق اور دین حق کے لئے نہین کرتے، تو پھر سایہ کے پیچھے دوڑنے سے شکار کیسے ہاتھ آسکتا ہے؛

بہرکیف حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی قومیات اور سیاسیات کے باب مین بھی اصل تجدید کا حاصل یہی ہے، کہ ان چیزون مین بھی ہماری منزل مقصود اور اس کا راستہ سب دین، اور صرف دین ہے؛ نہ ہماری مقصود آج کل کی بے دینی کی آزادی وخود مختاری حکومت وجمہوریت مساوات واشتراکیت ہے اور نہ ہمارے جلسے اور جلوس ہڑتال اور احتجاج نہ اپنی طرف سے قید وبند اور پولیس کے ڈنڈون یا فوج کی مشین گنون کو دعوت دینا اور نہ ستیہ گرہ اور مرن برت کی خودکشی، یہ مقاصد وتدابیر سب ہمارے غیرون کی تقلید ونقالی مین، ہمارے کامل دین نے الحمدللہ منزل مقصود وسائل وتدابیر کے باب مین بھی ہم کو غیرون کی پیروی ورہنمائی کا محتاج نہین چھوڑا، سب کے ضوابط واصول عطا فرما دیئے ہین،

جن کی روشنی ورہنمائی مین جزئی ووقتی استنباطات کے ذریعہ ہم ہر نو پیدا صورت حال کا مقابلہ کر سکتے ہین ایک ملفوظ مین ارشاد ہے کہ

"مسلمانون کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ دوسری قومون کی روش اختیار کرین، یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعہ ترقی بنائین یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہان ہون، بڑے غیرت کی بات ہے، ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، مشروع تدابیر اختیار کرنی چاہئیے، سلف کے کارنامون کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، اسی مین ان کی خیر وفلاح ہے، جو سبق مسلمانون کو دیا گیا ہے، اس مین قوت بھی ہے، شجاعت بھی ہے، سب کچھ ہے، اس مین ہم کو تبلایا گیا ہے کہ غلبہ سامان سے نہین ہوتا، بلکہ قوت قلب سے ہوتا ہے، اور مسلمانون کو قوت قلب میسر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے خدائی احکام کی اتباع اور خدا کی تبلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے، مگر مسلمانون کے دلون مین اسے کیسے اتارون۔

ایک مومن کامل کی طرح اس پر اس درجہ کامل ایمان ووثوق ہے کہ آگے فرماتے ہین کہ "خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے قسم کھا کر کہتا ہون کہ بالاتفاق سب مسلمان احکام حق پر عمل پیرا ہو جائین، اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی کوشش مین لگ جائین، تو چند روز مین انشاء اللہ کایا پلٹ جائے"؛

اس سے بھی بڑھ کر یہ ارشاد ہے کہ "اگر بہ نیت اتباع ایسا نہ کرین تو ایک تدبیر ہی کا درجہ سمجھ کر دیکھین، آخر اور بھی تو تدابیر کر رہے ہو، ایک یہ بھی سہی، تمھارا مقصود تو مقاصد مین کامیابی ہے (خواہ کسی راہ سے ہو) تو جب تمھاری ساختہ پرداختہ (بلکہ دراصل غیرون کی آموختہ تدابیر مین اب تک کامیابی نہین ہوئی، تو اللہ اور رسول کی تبلائی ہوئی تدبیر

کو تدابیر ہی کی نیت سے کرکے دیکھ لو، کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اگر کامیابی نہ ہوگی تو چھوڑ دینا، لیکن کرکے دیکھو تو؛ کرنے سے پھانسی کیون لگتی ہے مرے کیون جاتے ہو، کوئی پکڑ کر تھوڑا ہی تم کو بٹھلائے گا، بہت دنون تک بتون کی پرستش کرکے تجربہ کرلیا، اب ذرا خدا کو بھی پوجکر دیکھ لو،

ایک شخص مدت سے بت کے سامنے بیٹھا صنم صنم پکار رہا تھا، ایک روز بھولے سے صمد منہ سے نکل گیا، فوراً آواز آئی، لبیک یا عبدی لبیک، یعنی کیا کہتا ہے میرے بندے! میں موجود ہون، اُس نے جوش میں آکر بت کو ایک لات رسید کی، کہ کمبخت عمر کا ایک بڑا حصہ تم کو پکارنے مین گذر گیا، ایک دن بھی جواب نہ دیا، آج سچے خدا کا نام بھولے سے زبان سے نکل گیا، فوراً جواب ملا، سو وہ تو بڑی رحیم و کریم ذات ہے جس کو تم بھلا رہے ہو، اور جس سے تعلق کم کر رہے ہو،

بس کوئی انگریزون کی بغل مین جا گھستا ہے، کہ اُن کے پاس ہماری فلاح و بہبود کے اسباب ہیں، اور اس مقلدانہ حماقت مین اُن کی سی بولی چالی، اُن کا سا لباس، اُن کی سی معاشرت تک اختیار کرلیتا ہے، کوئی ہندوؤن کی بغل مین جا گھستا ہے، کہ اُن کے ساتھ اتحاد مین ہماری فلاح و بہبود ہے، اور ان کے ساتھ شریک ہوکر احکام اسلام تک کو پامال کرنے کو تیار ہوجاتے ہین، حتی کہ ایمان تک اُن کی نذر کر دیا، مگر رہے کورے کے کورے، نہ انگریزون سے کچھ ملا، اور نہ ہندوؤن سے،

(الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص ۴۷۹، ۴۸۰)

احباب انگریزون اور ہندوؤن (وفد خلافت یا وائسرائے اور کانگریس) دونون سے مایوس ہوکر مسلم لیگ گروہ کی بغل مین گھسنے کی سوجھ رہی ہے۔"

انسانون کی ساختہ پرداختہ اور غیرون کی آموختہ آج کل کی قومی و سیاسی تحریکات کی تدابیر پر ایک طویل ملفوظ مین حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے خیالات کا کسی قدر تفصیل سے اظہار فرمایا ہے، خلاصہ اُن کا یہ ہے کہ مسلمانون کے لئے شریعت کی منصوص راہ و تدبیر یا تو قتال و جہاد ہے، اور جب تک اس کے اسباب و شرائط منصوصہ فراہم نہ ہون، اس وقت تک صبر و سکون کے ساتھ ایمان و عمل صالح مین استقامت و پختگی کی کوشش و تیاری جاری رہے، جو کفر سے مقابلہ یا اسلامی جہاد کے لئے سب سے اہم و اقدم تیاری ہے، باقی کسی جابر و قاہر حکومت و سلطنت کا آئین شکنی (سول نافرمانی) یا اقدام عمل (ڈائرکٹ ایکشن) وغیرہ کے ذریعہ مقابلہ کرکے یا ہمسایہ قوم کے ساتھ خانہ جنگی مین مبتلا کرکے مسلمانون کی جان و مال کو گنوانا (جس کا ابھی ابھی کلکتہ مین کیسا غمناک و عبرتناک تجربہ ہوا) یہ نہ اسلامی جہاد و قتال ہے، اور نہ اس مین صبر و انابت یا رجوع الی اللہ کے ساتھ اس دینی اصلاح حال کے لئے امن و اطمینان نصیب جو مسلمانون کے حق مین اصلی تدبیر ہے، یہ رائج الوقت تدابیر حضرت مجدد وقت کے نزدیک جائز کیا سرے سے حرام اور خودکشی کی صورتین ہین، مومن کی جان و مال اس کی ملک نہین، وہ اس کا صرف امین ہے، اس کا مرنا جینا سب خدا کے لئے اور خدا کے حکم سے ہے، جب تک اس کا علم و اطمینان نہ ہو کہ جس مقصد کے لئے، اور جس راہ سے وہ جان و مال دے رہا ہے، وہ خدا کی راہ اور خدا کی مرضی ہے، اس وقت تک بدن کا ایک رویان بھی دینا جائز نہین، احقر اسلامی سیاست و جہاد اپنے جامعہ عثمانیہ کے لکچرون مین ہمیشہ بلا شرم و حجاب کہا کیا کہ "محض ملک و قوم کی آزادی خریدنے یا جمہوریت و اشتراکیت کے قیام کے لئے اپنے جسم کا ایک رویان پیش کرنا بھی معصیت جانتا ہون، ہان خدا و رسول کی مرضی و حکم کے آگے مومن کی جان و مال سب بے قیمت ہین"

ذیل مین ملفوظ مذکور کے ضروری اقتباسات درج ہین، یہ ملفوظ کشمیر کے متعلق ایک مولوی صاحب کے کچھ سوالات کے جوابات کی صورت مین ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمانون کے جو جتھے کشمیر جا رہے ہین

ان کا مقصود لڑنا نہین صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے، یہ صورت شرعاً کیسی ہے ؟ جواب مین ارشاد ہے کہ

"یہ شرعی لڑائی تو ہے نہین اب دو ہی صورتین ہین یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال ورنہ صبر، درمیان مین اور کوئی چیز نہین، اور نہ یہ درمیانی صورتین سمجھ مین آتی ہین، اور نہ آج کل کی درمیانی صورتین اسلامی صورتین ہین، سب دوسری قومون کی تقلید ہین،

لیکن اگر بغیر لڑے ہوے اس صورت کو اختیار کرکے کامیابی ہو جائے، تو اس کے اختیار کرنے مین شرعاً کیا حرج ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ

یہ تھوڑا حرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا ...... اب اس صورت کا نصوص کلیہ مین داخل ہونا ثابت کر دین، تو مین بھی مان لون گا، خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے، باقی نصوص کے مقابلہ مین اجتہاد و قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرف کا حق ہے،

سوال آیت جہاد مین "مِنْ قُوَّةٍ" نکرہ ہے، اور اس وقت جیل جانے کی قدرت ہو،

جواب :- قدرت سے یہ قدرت مراد نہین، بلکہ جس قدرت مین خصم کو کوئی ضرر ہو اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو،

سوال :- جیل جانے مین تو کوئی ضرر نہین معلوم ہوتا، اور خصم کا ضرر ہے، یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے،

جواب :- اگر قدرت اضرار ہی ہے تو اس کی بھی قدرت ہے، کہ دشمن کے منہ پر تھوک دین، یا ڈھیلا مار دین، مگر اس مین اپنا ضرر ہے، اس لئے ایسا نہین کرتے، حاصل یہ کہ قدرت سے مراد وہی قدرت ہے، جس مین دشمن کا ضرر ہو،

اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمین ہین، ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہین، اس پر سب کو قدرت ہے، لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع پر قدرت نہین، دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے، اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئین گے، اُن کی مدافعت پر بھی قدرت ہو، پہلی صورت لغوی استطاعت ہے، اور دوسری شرعی استطاعت، اور مدافعت کی فرضیت کے لئے پہلی نہین، بلکہ دوسری یعنی شرعی استطاعت شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا، کہ من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ ہے،

ظاہر ہے استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفار کی تقدیر کب محقق ہو گی، یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو، اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہون، اُن کے دفاع پر قدرت ہونا شرط نہ ہو، تو زبان سے انکار کرنا ہر وقت فرض ہونا چاہئے، کیونکہ زبان کا چلا دینا ہر وقت ہی قدرت مین ہے، پھر وہ کونسی صورت ہو گی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہین کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے، اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت کے ساتھ اس مین ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت و مقابلہ بظن غالب عادۃً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر مین نہ مبتلا ہو جائین،

جنھون کا جیل جانا، پٹنا، یا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے، اور خودکشی سے اگر کسی کو فائدہ بھی پہونچے، تب بھی تو جائز نہین، یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی سے کفار پر اثر ہوگا، تو کیا خودکشی جائز ہو جائے گی، اور جیلون مین جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کے مرادف نہین،

اس پر سوال ہوا کہ ضرر تو قتال میں بھی ہے، ایسا اخر ضرر کہ جان جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ قتال مقصود و منصوص ہے، اس لئے اس کے ضرر کا اعتبار نہیں، اور یہ نئی تدابیر اور طریقہ کار غیر منصوص ہیں، اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا، اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، قتال فتنہ نہیں کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے، اور ان امور میں تشتت و پراگندگی اور اضاعت وقت ہے،

"اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے، پروگرام بناتے وقت اور فقہ کو بھی محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں، اور نہ مفید ہے، بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے، نہایت ہی دقیق فن ہے، اس واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں"

اور جو مجدد وقت تجدید دین ہی کے لئے مبعوث ہوا ہے، اس سے بڑھکر وقت کی چیزوں کے متعلق صحیح ذوق و فراست ایمانی کا دعویٰ کون کر سکتا ہے اور احتیاط کے پہلو کو ہر معاملہ میں اور ہر قدم پر مرعی رکھنا یہ تو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کا وہ حصہ ہے، جس میں زیادہ کا تصور بھی دشوار ہے

اس کے بعد سائل کی طرف سے ایک سوال یہ ہوا، کہ من قتل دون عرضہ ومالہ فھو شھید سے جان دینا جائز نکلتا ہے، تو بھوک ہڑتال وغیرہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ

"قتل سے مراد خودکشی نہیں، بلکہ قتال ہے، یعنی اس نیت سے جنگ کرو، اور لڑو کہ جان، ایمان اور مال بچ جائے، پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے، تو وہ شہادت ہے، قتل ہونا خود مقصود نہیں، بلکہ قتال سے اگر لازم آجائے تو اس کا جواز نکلتا ہے، غرض مقصود قتل نہیں قتال ہے، وہ بھی جب اس کی سب شرطیں پائی جائیں، اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور خود قتل کا مقصود نہ ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید میں

یُقتلون (بصیغہ مجہول) ہر جگہ یُقتلون (بصیغہ معروف) کے بعد ہے، جس سے معلوم ہو کہ یقتلون (بصیغہ مجہول) خود مقصود نہیں، بلکہ یَقتُلون (بصیغہ معروف) سے کبھی لازم آجاتا ہے۔"

یہ ہے تفقہ فی الدین اور فہم نصوص کا مجددانہ ذوق، اب پھر سائل نے یہ سوال اٹھایا، کہ پوری قدرت تو نہیں، مگر جو کچھ بھی ہے اس کا استعمال کس طرح کریں، کچھ تو کرنا ہی چاہئے" اس کا جواب ملاحظہ ہو کہ

"یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے، میری سمجھ میں تو اس سے زیادہ نہیں آتا، کہ اُن کو تبلیغ کرو، دین سکھاؤ، اس کے بعد لڑاؤ (یعنی باضابطہ جہاد) میں پوچھتا ہوں کہ ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ میں تھے، اُن کی جانیں تک جاتی تھیں، اُس وقت اہل مدینہ نے ایک بھی جتھا نہ بھیجا اور جب تک آیت قتال نازل نہ ہوئی، صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی بس جنگ کرو تو اسلامی کرو، آئین بائین کہاں کی خرافات نکالی"

پھر چند سوالات کے بعد ایک سوال یہ ہوا کہ "منصوص تدابیر کے مقابل میں اُن تدابیر کو منع تو نہیں کیا گیا اُن کی نسبت نہ نہی وارد ہے، نہ حکم، تو اس صورت میں اُن کو مسکوت عنہ کہا جائے گا، ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے" اس کا جواب خصوصاً قابل توجہ ہے،

"جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہ ہوئی، اور خیر القرون کے بعد پیش آئیں، اور نصوص اُن کے خلاف موجود ہوں، تو وہ مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں، لیکن اُن چیزوں کی حاجت تو ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہیں بلکہ منہی عنہ ہوا، کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا"

علاوہ ان سب باتوں کے ایک اور باریک بات ہے، جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے، کہ ہر کام
کے لئے حدود کی ضرورت ہے، جن کی ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے، سو اُن کا تحفظ کون کرے گا
یا کرائے گا، ایک لڑکا زمانۂ خلافت میں ہجرت کر گیا، اس کی ماں روتے روتے اندھی ہو گئی، تو اس
کو کون دیکھے گا، کہ کس کو جانا، یا ایسی تدابیر میں پڑنا شرعاً چاہئے، اور کس کو نہیں چاہئے، لہٰذا اگر
تدابیر جدیدہ جائز بھی ہوں، تب بھی اس کی ضرورت ہے، کہ کوئی امیر (ماہر و متبع شریعت) ہو
تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے، اور دوسروں سے بھی کرائے، بلا ایسے امیر کے کچھ نہیں ہو سکتا"

اسی سلسلہ میں امیر کے متعلق تحریک خلافت کے زمانہ کا ایک بڑا دلچسپ اپنا مکالمہ ایک بڑے پرجوش
ذہین و فہیم شریک تحریک کے ساتھ بیان فرمایا، جو سننے اور سمجھنے کے لائق ہے، ان پُرجوش نوجوان کو دعویٰ
تھا، کہ حضرت کو پانچ منٹ میں قائل کر کے تحریک خلافت میں شریک کر لیں گے، چنانچہ آتے ہی اُنھوں نے کہا
کہ بلا تمہید عرض کرتا ہوں، کہ آپ اس تحریک میں شریک کیوں نہیں ؟ حضرت نے فرمایا، کہ

"میں بھی بلا تمہید عرض کرتا ہوں کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے، اس میں ضرورت ہے اتفاق
کی، حدوثاً بھی اور بقاءً بھی، اول تو مجھ کو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے، لیکن علی سبیل التنزل
مان بھی لیا جائے، تو بقاء کا کون ذمہ دار ہے، بقاء کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں، قدر و قوت
کی ضرورت ہے، اور وہ قوت امیر المومنین ہے، اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیر المومنین
نہیں، جو اُن کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے، جو روح ہے اس کام کی۔۔۔۔۔۔ کہنے لگے،
ہم آپ ہی کو امیر المومنین بناتے ہیں، میں نے کہا کہ میں تیار ہوں، مگر کچھ شرائط ہیں، اول یہ کہ
ہندوستان کے تمام مسلمان اپنا تمام مال و جائداد میرے نام ہبہ کر دیں، میں بھیک مانگنے والا
امیر المومنین نہیں ہوں گا،

ایسے کام چندوں سے نہیں چلا کرتے ہیں اور جن کے چندے ہیں، اُن کے مال اُن کی جان اُن کی

آبرو اُن کے بی بی بچے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب خدا کی راہ میں اپنے کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے
اور اصل مقصد میں سب متحد تھے، خلوص سے اُن کے قلوب پُر تھے، اُن کی ہمسری کا کیا کوئی دعویٰ
کر سکتا ہے، اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک یہ ضرورت رہے۔۔۔۔۔ اگر کوئی ضرورت خرچ
کی فوری پیش آگئی، اور پلے ہے نہیں، اب اگر رقم وقت و موقع پر نہ پہنچی تو سوائے ناکامی کے اور کیا
نتیجہ نکل سکتا ہے، مثلاً ضرورت آج ہے، اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کو تو کیا ضرور ہے کہ فوراً
کامیابی ہو جائے تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کرنا کونسی عقلمندی ہے، تو کام سے
پہلے اس کا انتظام کیا جائے،

"اس سرمایہ سے جو میرے نام ہبہ ہو گا، سامان جمع کروں گا، ساتھ ہی سب کو حسب حیثیت و
مذاق انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا، اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ بعد فراغ و کامیابی سب کی
جائداد وغیرہ بجنسہٖ واپس کر دوں گا"

"دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء اور لیڈروں کے دستخط کراؤ کہ وہ مجھ کو
امیر المومنین تسلیم کر لیں، اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا، ہاں اگر
تسلیم کے بعد پھر کوئی خلاف یا اختلاف کرے، تو امیر کو حق ہے کہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو
دبائے، اور ٹھیک کرے،

"اب سنیئے امیر المومنین ہونے کے بعد سب سے اول یہ حکم دوں گا کہ دس سال کے لئے سب
خاموش، ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور و غل بند، اور اس دس سال میں انتظام کروں گا مسلمانوں
کے مسلمان بنانے کا اور ان کی اصلاح کا، پھر اس مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہو گا، حکم
دوں گا، اور اگر محض کاغذی امیر المومنین بنانا چاہتے ہو، تو نتیجہ یہ ہو گا، کہ آج امیر المومنین
ہوں گا، اور کل کو اسیر الکافرین، آج سردار ہوں گا اور کل کو سر دار ہوں گا،

"یہ تقریر پڑھ کر اُن کی سب ذہانت ختم ہوگئی، اور یہی مقصود تھا کہ اُن کو اپنے خیالی منصوبون کی حقیقت معلوم ہوجائے ورنہ کون امیرالمومنین بنتا ہے، اور کون بنتا ہے، خلاصہ یہ کہ ہر کام اصول سے ہوسکتا ہے، بے اصول تو گھر کا انتظام بھی نہین ہوتا ملک کا کیا خاک ہوگا.......... اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے نہین ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو، لیکن ان باتون کو لوگ اپنے مقاصد مین روڑا اٹکانا سمجھتے ہین، حالانکہ اگر احکام اسلام کو پامال کرکے کوئی کام ہوا بھی تو وہ دین کا کام بہرحال نہ ہوگا.......... تحریک خلافت کے زمانہ مین صاف الفاظ مین کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا نہین کام کا وقت ہے، ایک مولوی صاحب جو ان تحریکات مین نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کررہے تھے، مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو اس تحریک مین وہ کام کرنے پڑے ہین کہ اگر علماء کو معلوم ہوجائین تو کفر کا فتویٰ دیدین، یہ تو حالت ہے اور دعویٰ دین کی خدمت کا ہے"

ایک موقع پر ایک صاحب نے کہا کہ پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوتے تھے یعنی حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، حضرت نے کیا خوب فرمایا کہ

"مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوتے تھے، اور یہ بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے، اور پھر آخر تک بیٹھے ہی رہے، اب بتلاؤ کہ اپنے بزرگون کے متبع ہم ہوئے کہ آپ، اس لئے کہ آپ منسوخ پر عمل کررہے ہین، اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے، پھر کچھ نہ بولے، خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے، حالانکہ جن وجوہ و اسباب کی بنا پر ان حضرات نے بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی، وہی اسباب اب بھی موجود ہین، بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتری و کمزوری نظر آرہی ہے"

حضرت کی نظر تو ہر طرف جاتی ہے، آگے فرماتے ہین کہ

"اور عوام کے بھروسہ پر جب کہ اُن مین دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام مین ہاتھ ڈالنا

نہایت خطرناک ہے...... خصوصاً اس حالت مین مضر ہونے مین تو کوئی کلام ہی نہین جب کہ دوسرون کے کندھون پر بندوق چلائی جارہی ہو، صاف کہتے ہین کہ بدون برادران وطن کی شرکت کے ہم کچھ نہین کرسکتے، ایسی قوت کے بھروسہ پر جس سے کسی وقت بھی اسلامی خیرخواہی و ہمدردی کی امید نہین، کام کرنا کہان تک عقلمندی کہلائی جاسکتی ہے، نہ شرعاً نہ عقلاً، ہزارہا واقعات شب و روز مشاہدہ ہورہے ہین، کہ وہ کسی طرح اور کسی وقت اسلام اور مسلمانون کے خیرخواہ نہین ہوسکتے"

اور جو اصل چیز ہے کہ مسلمانون مین دین پیدا ہو، اُن کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو، اُن کا کوئی امیر ہو، اس کا کہین نام و نشان نہین، بس بھیڑ کی چال ہے، کہ جس طرف ایک چلی، سب اوسی طرف چل دیتی ہین، مین بقسم کہتا ہون اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے کہتا ہون کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ دین کے پابند ہوجائین، آپس کے منافشات ختم کردین، اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلین، اور جس کو اپنا خیرخواہ سمجھ کر، بڑا (امیر) بنائین، اس کے مشورون پر عمل کرین، سرمو اعراض نہ کرین، تو پھر اُن کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت، نہ کسی سے ڈرنے کی، نہ اُن کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے، ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے،

"ہماری تو ہستی کیا، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جن کی مقبولیت اور فراست و عقل تمام دنیا کو تسلیم ہے، انھون نے بھی ساری عمر یہ کام کئے، مگر اصول اور حدود کو ہاتھ سے نہین چھوڑا، یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے، کہ اُن کو کامیابیان ہوئین، اُن کی نصرت ہوئی، وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت مین غالب آئے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اُن کا طریقہ کار کیا تھا، ان کا اس جدوجہد سے مقصود کیا تھا، اُن کی نیت کیا تھی، اُن کے اعمال کیسے تھے، وہ آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیسا کرتے تھے، وہ احکام اسلام پر

کس درجہ عامل تھے، اُن کے قلوب مین اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت و محبت تھی،
ثمرات پر تو نظر ہے لیکن اسباب ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہئے، کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت
معلوم ہو جائے گا، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم اُن کامیابیون اور نُصرتون کے مستحق ہین،
یا نہین، نرے دعوے اور زبانی باتین ہانکنے سے کہین کام چلا کرتا ہے،

ایسی زبانی باتون اور بے اصول کامون کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موپلون کی قوم کو برباد کرا دیا،
ان لیڈرون اور ان کے ہم خیال مولویون نے لکچر دیئے، عربی النسل تھے، جوش پیدا ہو گیا،
بھڑک اُٹھے، پھر جو اُن کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے، پھر ایک لیڈر بھی وہان نظر نہ آیا، نہ
کسی نے اُن کی امداد کی، چاہتے ہین کہ ہم تو صدارت کی کرسی پر بیٹھے رہین، اور لوگ اپنی
جانین دیتے رہین، یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کامون کا"

شریعت کے حدود اور اصول سے نکل کر مسلمانون کو کبھی کامیابی نصیب نہین ہو سکتی، اس کا کیسے
کامل یقین و ایمان کے ساتھ برملا اعلان فرمایا ہے کہ

کرو اصول کے خلاف نہ کرو حدود شرعیہ کا تحفظ لگاؤ ایڑی چوٹی کا زور، واللہ ثم واللہ ثم واللہ
ایک انچ بھی تو آگے نہین جا سکتے، مسلمانون کی فلاح و بہبود تدابیر منصوصہ ہی مین ہے"
بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض ماثور دعا کو چھوڑ کر، اور طریق دعا اختیار کرتے ہین، ظاہر ہے کہ
اگر یہ طریقہ مقبول اور خدا و رسول کا پسندیدہ ہوتا تو وہ بھی تعلیم کر دیا جاتا، جب نہین کیا گیا تو
معلوم ہوا کہ یہ نیا طریقہ مقبول و پسندیدہ ہی نہین، اور غیر مقبول مین خیر و برکت کہان چہ جائیکہ
اس شخص (گاندھی) کی تعلیمات و تجویزات جو توحید و رسالت کا منکر اسلام اور مسلمانون کا
دشمن، اور رئیس المشرکین والکافرین ہو،

تحریک خلافت کے زمانہ مین ہجرت کا رزولیوشن پاس کر دیا، ہزارون مسلمانون کو بے خانمان

کرا دیا، پھر ملازمتین ترک کرنے کی تعلیم دی گئی، مسلمانون نے نوکریان چھوڑین اور ہندوؤن
نے اُن کی جگہ کو پُر کیا، بہت سے اب تک جوتیان چٹخاتے پھرتے ہین، بعض کے خطوط آتے ہین
کہ اُس وقت حماقت ہو گئی، اب تک بے روزگاری سے سخت پریشانی ہے"،

یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف حضرت نے اوپر قدرت کی لغوی و شرعی تقسیم مین اشارہ
فرمایا کہ شرع مین وہ قدرت معتبر ہے کہ مقدور کے کر گذرنے کے بعد جو ضرر لاحق ہونے والا ہے، اس کے
مقابلہ کی بھی ہمت و قدرت ہو آگے ارشاد ہے کہ

"یہ ہین بے اصول کامون کے انجام، اگر کوئی اصول ہوتا، یا کوئی مرکز ہوتا تو اُن لوگون کو کیون
پریشانی ہوتی اور کیون بددل ہوتے، غرض قدم قدم پر ناکامی و ذلت گلوگیر رہی، مگر پھر بھی آنکھین
نہین کھلتی ہین، جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے، یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہین،
اگر مسلمان تنہا اصول کے ماتحت حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کرین
اپنی مالی و جانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لین، پھر کسی کو اختلاف نہ ہوگا، مسلمانون کے جو
شرعی مقاصد یا اپنی دینی و دنیوی بہبودی کے مطالبات ہین، مجھ کو اُن سے اختلاف نہین اور
نہ کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا ہے،

مجھکو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہین، سردار یا امیر کوئی
نہین، اختلاف و خلاف کی یہ حالت کہ پارٹی بندیان ہو رہی ہین، علماء ایک طرف کو چلے جا رہے
ہین، لیڈر ایک طرف چلے جا رہے ہین، عوام کی یہ حالت کہ جس نے مرضی کے موافق فتوی دیدیا،
یا کوئی عالم یا لیڈر ان کے ساتھ ہو لیا، تو اس مین تو سب کمالات ہین، اس کو عرش پر پہنچا دین گے
اگر کسی نے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی بات کی، تو تحت الثری مین بھی اس کو جگہ ملنا مشکل"

ہندوؤن اور کانگریس سے حضرت مجدد ملت علیہ الرحمۃ کو جس درجہ بے اعتباری اور

اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے سے جس درجہ اختلاف ہے، اس کا اندازہ فرمائیے فرماتے ہین :-

"کانگریس کی تحریک جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤن کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانون کو تباہ و برباد کرنا ہے، اور مسلمانون کو ہندوستان سے نکال دینا یا پھر ہندو بنا لینا) اس کا خاص منصبی فرض ہے، یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہین، (اور اب ان خیالات کے لوگون کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، ناقل) اور بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانون کو تباہ و برباد کیا، دینی مدارس و مساجد کو خراب کیا، وہ ساری دنیا کو معلوم ہے"

"بات یہ ہے کہ جب سرے سے اُن کا کوئی دین ہی نہین، بلکہ اپنے لادینی ان کا عین دین ہو تو اُن کو کسی کے بھی دین کے احترام کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، اگر کسی سیاسی و تدبیری مصلحت سے کسی وقت کچھ رعایت بھی کی، تو جب اس کے خلاف موقع و مصلحت ہوگی تو جو بھی چاہین گے، اپنی طاقت کے زعم مین کر گذرین گے، ہندوستان اور کانگریس مین بھی جس طرح روز بروز اشتراکیت و اشتمالیت کے رجحانات اور ان کی جماعت ترقی کر رہی ہے، یقیناً اس کے دیکھتے ہوے یہان بھی دین و مذہب کو عزیز رکھنے والے ان خطرات سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہین، باقی اس سے قبل اگر صرف آزادی یا سوراج ہی کی طاقت ہندوؤن اور کانگریس کے ہاتھ مین آگئی، اس کی نسبت حضرت کی خانہ جنگی کی پیشینگوئی تھی، اس کے آثار آج کتنے قریب[1] ہین، فرماتے ہین کہ

"یہ سوراج سوراج ہانکتے پھرتے ہین، اگر اس مین خدانخواستہ کامیابی ہوگئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائے گا، ہندو اور ان کے وطنی اپنی رکیک حرکتون سے باز نہ آئین گے، مسلمانون مین اشتعال و جوش ہوگا، وہ زمانہ قتال و جدال کا ہوگا، ... حاصل یہ کہ مسلمانون کا کانگریس مین شرکت کرنا"

[1] کتنے وقت قریب تھے، اور چھپنے سے پہلے ہی کلکتہ اور بہار وغیرہ کے واقعات نے اس پیشینگوئی کو آنکھون کے سامنے کر دیا،

ہندوؤن کے ساتھ مل کر یا اُن کو ملا کر کام کرنا یا اسلام اور مسلمانون کے لئے نہایت خطرناک بات ہے، وہ مسلمانون کے مذہبی شعائر کو ہندوستان مین باقی چھوڑنا نہین چاہتے، آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہین، کانپور و کشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھون کے سامنے ہین،

دفاتر وغیرہ اور چھوٹی چھوٹی ملازمتون تک کے معاملہ مین اُن کی رکیک حرکات اور تنگ دلیون کا جو حال ہے، وہ سابقہ پڑنے والے مسلمان ہی غریب جانتے ہین، آخر حضرت سے بھی لوگ ان حالات کو بیان کرتے تھے، فرماتے ہین کہ

"ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے جو دفتر مین ملازم ہین، کہ ہندوؤن کی بدولت ہر محکمہ و دفتر مین مسلمانون کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیچارے لیڈرون یا اُن کے ہم خیال مولویون کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہین، غرض یہ مسلمانون کی جان و مال و ایمان سب کے دشمن ہین"

بہرحال مسلمانون کی صحیح راہ تو وہی اپنے دین کو مضبوط کرنا، خدا کو راضی کرنا اور جو کچھ بھی کرنا خالص رضائے حق کی نیت اور شریعت کے اصول و حدود کی حفاظت کیساتھ، اس کے بغیر سوراج یا ملکی آزادی کا اُن کے حق مین مفید ہونا دینی و دنیوی دونون اعتبار سے یقیناً مشتبہ ہے، لیکن اس کی فکر نہ کانگریسی مسلمانون نے کی، نہ لیگی مسلمانون کو ہے، اور نہ بادب عرض ہے کہ اس کی فکر جمعیۃ العلماء کو ہے، دوسری طرف یہ بھی یقینی ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانون کو ہوش مین آنے کی بہت مہلت دی، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غفلت کے لئے واقعات کو مزید انتظار کی اجازت نہ ملے گی، مگر جب بھی اُن کو ہوش آئے، اُن کی دنیا و آخرت دونون کی نجات خدا ہی کی طرف بھاگنے سے ہو سکتی ہے،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر تحریک خلافت مین سب سے آگے اور ہندوؤن کے ساتھ اور کانگریس مین شرکت کے روادار تھے، مگر دین اور دینی شعائر کی حفاظت کے معاملہ مین یہ نارواداری تھی، کہ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہین، کہ حضرت دیوبندی (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کو جو آخر

بنایا جاتا ہے، تو کیا اُن کے یہ مقاصد تھے، !

"استغفر اللہ حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی کے ایک جلسۂ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا، لیکن حضرت بعض عذروں کی بنا پر تشریف نہ لیجا سکے، اور مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا، اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے، اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف و مداہنت کے ظاہر کردو، اس وقت قربانی گاؤ کے بند کرنے پر زور دیا جارہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذراسی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی، کرتے رہیں گے،"

اسی سلسلہ میں سلطان صلاح الدین کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

"مولانا (دیوبندی) تو بڑی چیز ہیں، سلاطین اسلام باوجودیکہ دنیا دار کہلاتے ہیں، مگر اُن میں بھی جس کے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا، انھوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا، اس کی بھی پرواہ نہیں کی، کہ سلطنت رہے گی یا جائے گی،

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام فتح کیا، تو وزراء نے عرض کیا، کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے، نیا مفتوحہ ہے، اس ملک کے لوگ نہایت سرکش و سخت ہیں، اور اسلامی سیاسیات نرم ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر کچھ اور قوانین بھی ان پر قابو رکھنے کے لئے نافذ کر دیئے جائیں، تو نہایت مناسب ہوگا، اس پر سلطان نے جو جواب دیا، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے،

کہا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے، وہ حکومت وسلطنت کرنے کے لئے، میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب کوششیں کی ہیں، احکام اسلام ہی کو نافذ کروں گا، ملک رہے یا جائے ایک حکم بھی خلاف اسلام نہ کروں گا، علماء اور لیڈر اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، ان حضرات کی کامیابی کے ماذیہ تھے، اور یہاں یہ حال ہو کہ ملک ملنے سے پہلے ہی شریعت مقدسہ کی قطع و برید

شروع کر دی، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"

یہ الافاضات الیومیہ حصہ اول (۳ رمضان المبارک ۵۰ھ) کے قریباً ۲۳ صفحات (از ص ۷۲ تا ۹۴) کے ایک طویل مکالمہ و ملفوظ کی ضروری تلخیص تھی، جس سے آج کل کی قومیات و سیاسیات سے متعلق حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدید و تحقیق کا بڑی حد تک اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور جس کا حاصل یہ ہے کہ ان قومی یا سیاسی تحریکات کا نہ تو مقصود ہی دین ہے، اور نہ اُن کے طریقے ہی دینی ہیں، جو کچھ ہے، سب غیروں کافروں اور مشرکوں کی تعلیم کی بُری بھلی نقالی ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان نہ ان میں شرکت کے کوئی معنی ہیں، اور نہ یہ شرکت شرعاً جائز ہے، اور نہ ان طریقوں سے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی کامیابی ممکن ہے، یہ تو اس باب میں تجدید کا سلبی یا منفی پہلو تھا، مثبت وایجابی پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی کامیابی کا انحصار اس پر ہے، کہ اُن کا نہ صرف مقصود ہی بالکلیہ دین اور رضائے حق ہو، بلکہ اس مقصود کے حصول کی تدابیر بھی بالکلیہ شریعت کے مقرر فرمودہ اصول وحدود کے تابع ہوں، نیز یہ کہ مسلمان سے مطالبہ بالذات "ایمان وعمل صالح" کا ہے، اور قومی و سیاسی ترقی یا حکومت وسلطنت اس کا ظل ہے، اور ظل کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت، وہ تو اصل کے ساتھ آپ ہی لگا رہتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ حق تعالیٰ کا اٹل وعدہ ہے، کہ

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ"

یا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رنگ میں یوں کہو کہ حکومت وسلطنت مقصود نہیں موعود ہے"

راقم الحروف کو ایک مدت تک مولانا مودودی کی تحریک قیام حکومت الٰہیہ سے متعلق بہت خلجان رہا، ایک طرف تو اُن کا یہ دعوی اپنی جگہ بالکل درست تھا، کہ حکومت وسیاست کے جتنے موجودہ ورائج الوقت نظریات و نظامات ہیں، وہ خواہ بعض باتوں میں کچھ سطحی وظاہری مماثلت ہو، لیکن اصولاً وحقیقۃً اسلامی حکومت وسیاست کے نقطۂ نظر کی بالکلیہ نفی وضد ہے، کیونکہ یہ سارے نظریات و

نظامات حکومت کسی نہ کسی صورت مین انسان پر انسان ہی کی حاکمیت کے حق کو قائم رکھتے ہین جس کی اسلام سرے سے نفی کرتا ہے[1]، اور انسان پر صرف احکم الحاکمین کے حکم و حاکمیت کو جائز رکھتا ہے، لہذا ان نظریات و نظامات کے ساتھ مسلمانون کا تعاون بھی کسی طرح جائز نہین[2]، لیکن دوسری طرف مولانائے موصوف نے حکومتِ الٰہیہ کے براہ راست قیام کی دعوت جو اس طرح دینا شروع فرمادی کہ گویا وہ مقصود بالذات ہے[3] اور اس کے قیام کے بغیر گویا مسلمان مسلمان ہی نہین رہ سکتے، اور اُس کے لئے ایک جماعت تک بنا ڈالی یہ راہِ عمل کسی طرح حلق سے نہین اُترتی تھی،

جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور سوانح مین اس کی کوئی سند نہین ملتی تھی، کہ انھون نے اپنی بعثت کا مقصود یا اپنا کلمۂ دعوت براہ راست حکومتِ الٰہیہ کو قرار دیا ہو، بلکہ حدیث مین تو یہان تک ہے کہ بعض انبیاء قیامت مین ایسے ہون گے کہ جن کا ایک بھی متبع و امتی نہ ہوگا اور بعض کا صرف ایک ہی ہوگا، ظاہر ہے کہ اُس سے نہ تو ایسے انبیاء علیہم السلام کے کمالِ نبوت مین کوئی کمی رہی، اور نہ اُس ایک اُمتی کے کمال ایمان مین، پھر یہ اول دن ہی سے براہ راست رائج الوقت قائم حکومت کو اعلانِ جنگ دینا، اور اُس کے مدمقابل خود اپنے لئے حکومت و حاکمیت کا دعوی کر دینا تھا جس کی بدولت ابتدا ہی سے گویا خود اپنی ہی طرف سے بعثت کے اصل مقصود یعنی توحید اللہ (یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ) کی راہ مین پہاڑ کھڑا کر دینا اور در اصل طرح طرح کے فتنہ و فساد کو دعوت دینا ہوتا، کیونکہ پہلے ہی دن سے یہ سمجھ مین آنا عقلاً ناممکن ہے، کہ ہماری حکومت کو چھینکر اپنی نہین بلکہ خدا کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہین،

---

[1] یہ دعوی ہی مطلق صورت مین نہ نصوص شریعت کے مطابق ہے، نہ عقل و تجربہ کے، اسلام نے مخلوق سے نفی تو صرف معبودیت، الوہیت، ربوبیت کی کی ہے، نہ کہ مطلق حاکمیت کی عبدالماجد [2] یہ دعوی بھی نظر ثانی کا بہت زیادہ محتاج ہے عبدالماجد [3] بلکہ اس کے برعکس بعض انبیاء نے تو نظامات باطل سے تعاون کیا ہے، عبدالماجد

باقی یون تو خود توحید کی دعوت کو قبول کر لینے کا لازمی نتیجہ ہی یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جب اور جس درجہ مین ممکن ہوگا اپنے اوپر سے اپنے جیسے انسانون کے حکم و حاکمیت کے جوے کو اتار پھینکے گا،[1] اور حکومت و حاکمیت کا نام لئے بغیر ہی جس دن توحید الٰہ یا لا الہ الا اللہ کی اصل دعوت کے گرد اولاً ایمان و عمل صالح سے اور ثانیاً وقت اور حالات کے مقتضی کے بقدر ضرورت جنگ و مقابلہ کے ظاہری اسباب سے مسلح کوئی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو ظاہری حکومت کے سامان بھی نفس حکومت و سلطنت کے لئے نہین بلکہ اسی دعوتِ توحید کی خدمت و اعانت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ فراہم ہو جائین گے، جب کہ خود اسلام کی تاریخ اسی طریق عمل کی شاہد و معلم ہے، اور پھر اس طریقہ سے وجود مین آنے والی حکومت و سلطنت کا بقاء و عروج و زوال بھی اس جماعت کے ایمان و عمل صالح کے بقا اور ترقی و تنزل ہی کے ہم قدم ہوگا،

یہ باتین الحمد للہ سب سمجھ مین آتی تھین لیکن کوئی صاف و صریح نص سامنے نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ خلجان ضرور تھا، اور شرح صدر حاصل نہ تھا، اسی دوران مین غالباً اثنائے تلاوت مین اس آیت پر اللہ تعالیٰ نے متوجہ فرمایا کہ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ وَلَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا

بس سارا خلجان کافور ہو گیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اسی وقت اور اسی نادان کے اطمینان قلب کے لئے نازل ہوئی ہے، غرض مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصل کام اور مقصود بالذات سلطنت و حکومت، یا آج کل کی اصطلاح مین آزادی و خود مختاری کی فکر مین پڑنا نہین، بلکہ خود اپنے ایمان کو درست کرنا اور اعمال صالحہ کو اختیار کرنا یعنی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبون مین موجودہ قدرت و استطاعت کی حد تک پہلے مسلمانون کو خود اپنے تئین اصول و فروع مین احکام الٰہی کا محکوم بنا دینا ہے، پھر انشاء اللہ

---

[1] صرف اسی حکم و حاکمیت کو جو توحید و طاعت الٰہی کی راہ مین حائل ہو گی، (عبدالماجد)

لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ یا ارضی خلافت و حکومت کا قطعی وعدہ پورا ہونے کے سامان غیب سے ظاہر ہو گئے

ثم الحمد للہ کہ اس کے بعد پھر خوب سمجھ مین آگیا، کہ مسلمانون کی راہ عمل نہ جلسے اور جلوس ہین، نہ ہڑتال اور احتجاج، نہ ستیہ گرہ، اور مرن برت، نہ آئینی جد و جہد، اور نہ غیر آئینی مقابلہ، نہ رسائل و اخبارات، نہ جماعت سازی اور کمیٹی بازی، ان کا صاف سیدھا ہموار، و استوار راستہ بس ایمان و عمل صالح ہے، اور جب اس راستے سے ہم خلافتِ ارضی کے صالح ہو جائین گے، تو اس کا وعدہ بھی قطعاً پورا ہو کر رہے گا، بلکہ ابھی تو تجب کہ ہمارا مقصود بھی غیرون کی طرح نفس حکومت ہی ہے، حکومت نہ عطا ہونا ہی عین حکمت و رحمت ہے، ورنہ بجاے اس کے کہ ہم اس حکومت کو دین کے لئے استعمال کرین (جیسا کہ خود اس آیت ہی کے آخر مین مذکور ہے کہ وہ ہر طرح سے بے خوف و مامون ہو کر اصل مقصود یعنی میری بندگی مین لگ جائین، اور شرک کی آلائش سے اس طرح نکل جائین، کہ کسی شے کو بھی میرا شریک نہ بنائین) اسلئے قوی اندیشہ ہے، کہ ہم دنیا مین زیادہ غرق اور دین سے غافل ہو کر رہا سہا خدا اور رسول کا جو کچھ نام زبان پر رہ گیا ہے، اس کو بھی خدانخواستہ چھوڑ بیٹھین!!

بھلا اس باب مین ایسی صاف و صریح نص سے حضرت مجدد وقت کی نظر کیسے محجوب رہ سکتی تھی، سو اب اسی مسلمانون کی ترقی کی بحث کے سلسلے مین خود حضرت کے ہان بھی اسی آیت کے استعمال کو دیکھ کر، راقم الحروف کے اطمینان قلب پر مجدد وقت کی مہر توثیق لگ گئی، چنانچہ اس آیت کو نقل فرما کر فرماتے ہین کہ

"اس صاف ارشاد پر بھی نظر نہین، کس قدر صاف طریقہ سے ان عملون (یعنی اعمال صالحہ) کا خاصہ بیان فرمایا، اور پھر ترقی کا وعدہ بھی فرمایا ہے، جس کے خلاف ہونے کا احتمال بھی نہین، کیا اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر ترقی کی ہو سکتی ہے، (اور سب سے بڑی ترقی آج کل حصول حکومت ہی کو سمجھا جاتا ہے، ناقل) جس کے ناکام ہونے کا بھی وہم نہ ہو، جس مین سو فی صدی کامیابی ہی

کامیابی ہے، خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس کے خلاف نہین ہوگا، اس لئے اس تدبیر مین کامیابی بالکل یقینی ہے، (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص ۲۹)

لیکن موجودہ قومیات و سیاسیات کے اکھاڑے مین کود کر خدا تعالیٰ کے اس حتمی وعدہ اور صد فی صد کامیابی والی تدبیر پر تو کیا نظر رہ سکتی، الٹے ہمارے اچھے اچھون تک کی غفلت ہی نہین، بلکہ جرأت و جسارت بعض دفعہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے، کہ رہے سہے ایمان کا بھی خدا ہی حافظ! ایک وعظ (تعظیم العلم) مین اس کی حضرت نے بڑی ہی عبرتناک مثال بیان فرمائی ہے، جس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، کہ اس حال مین قومی و سیاسی ترقی تو مسلمانون کو کیا نصیب ہو گی، بس اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھین فرماتے ہین، کہ

"بعض علماء سے آج کل کہا گیا کہ عوام بعض امور مین شریعت کی حد سے بہت دور نکل گئے ہین، اس کی روک تھام ہونی چاہئے، تو فرماتے ہین کہ میان جوش و خروش مین ایسا بھی ہو جاتا ہے، کچھ پروا نہین اس وقت تو کام ہونے دو، پھر بعد مین مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اے صاحبو آسمان نہین پھٹ جاتا، زمین نہین شق ہو جاتی، جب ایک عالم کی زبان سے ایسے بیہودہ کلمات نکلتے ہین، (ص ۵۵)

اصل یہ ہے کہ وہ زیادہ بے باک تھے، زبان تک پر ایسے بیہودہ کلمات آگئے، ورنہ عام حال ان قومیات و سیاسیات مین پڑنے والون کا یہی دیکھا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، دل خدا کے خوف اور دین کی عظمت سے بالکل خالی ہو گئے ہین، (نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا) آگے پھر اسی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ والی اصل اسلامی و دینی تدبیر پر توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ

"بس ساری تدبیرون کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کر لو، سب کام بن جائین گے، ذرا اس تدبیر کو اختیار کر کے تو دیکھو اسی مین وعدہ ہے، مال و جاہ عزت و شوکت سب کے حاصل ہونے کا،

(کیونکہ) اس آیت مین استخلاف فی الارض کا وعدہ ایمان و اعمال صالحہ ہی پر مرتب فرمایا ہے"

لیکن مومن و کافر کی اس دنیاوی حکومت مین بھی زمین و آسمان کا فرق ہے، کافر کا مقصود تو اس حکومت سے خود حکومت اور دنیا ہی ہے، بخلاف اس کے

"مومن کے استخلاف فی الارض کی غایت بھی دین ہی فرمائی ہے، کہ یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا، یعنی یہ استخلاف فی الارض اس لئے ہے تاکہ وہ امن و اطمینان کے ساتھ میری عبادت و بندگی بجالائین، اور کسی چیز کو بھی میرا شریک و سہیم نہ ٹھہرائین) اس سے صاف معلوم ہوا کہ استخلاف فی الارض مقصود بالذات نہین، بلکہ مقصود بالذات ایمان اعمال صالحہ اور اتباع احکام ہے، اور سلطنت عطا فرمانے کا وعدہ اسی کے استحکام و حفاظت کے لئے ہے"

تو بھلا یہ خلافت ارضی ایسے لوگون کو اور ایسی راہون اور تدبیرون سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے، جن مین قدم قدم پر احکام الٰہی کی پیروی کے بجائے ان کی پامالی ہوتی ہو، اور جن کے اختیار کرنے والے مسلّم و متفق علیہ احکام و فرائض تک کی پروا نہین کرتے، اوپر مسلمان مولویون کا حال سُنا تھا، آگے مسلمان مشرون کے حال و نمونہ کا ایک ملفوظ سے اندازہ فرمایئے،

"اسی (تحریک خلافت) کے زمانے مین ایک علی گڈھ کا طالب علم آیا، جو عصر کے وقت آیا، مگر نماز نہین پڑھی، اُس نے مجھ سے ترک موالات ہی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا، مین نے کہا کہ پہلے اپنی تو خبر لو، انگریزون سے ترک موالات اس لئے کیا تھا کہ ترکون سے لڑے، مگر نماز جو نہین پڑھی تو خدا سے ترک موالات کیون کیا، شاید اس لئے کہ اس نے انگریزون کو غلبہ کیون دیا"!

(الافاضات حصہ اول ص ۳۰)

یہ بھی حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی عملی تجدید و اصلاح ہی کا رنگ تھا، کہ پہلے اپنی خبر لو" (قوا انفسکم واھلیکم نارا) کے لئے ٹوک تو دیا، ورنہ عام قومی و سیاسی علماء کا تو یہ رنگ دیکھا کہ دن رات قیم مباحث

سیاسیات مین کام کرنے والے اُن کے سامنے نمازین کھاتے رہین، مگر نرمی یا سختی سے کچھ تفہیم و تنبیہ کیا معنی تغیر بالقلب" تک کا کوئی اظہار نہین ہوتا، نمازی و بے نمازی سب سے یکسان بشاشت کے ساتھ مجالست و مکالمت و مشاربت و مواکلت سب ہی کچھ جاری رہتی ہے، البتہ لیگ یا کانگریس کو ووٹ دینے نہ دینے پر گرماگرم گفتگو اور ناگواری سب ہی کچھ ظاہر ہوتی ہے،!

نماز جیسی دین کی جڑ اور بنیاد کا تو ذکر ہی کیا حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کے نزدیک تو اعمال یا فروع ایمان مین کوتاہی کرنے والون کے ساتھ دوستی و بشاشت کا برتاؤ اقتضائے ایمان کے خلاف ہے، تواصی بالصّبر کے وعظ مین فرماتے ہین، کہ

"ایسے شخص سے آپ کا دل کیونکر ملتا ہے، جو فروع ایمان مین ناقص ہے، اس سے بے تکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین، کہ جو کوئی تم مین سے امر منکر کو دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹائے، یا زبان سے یا دل سے، پھر یہ کیا غضب ہے، کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھکر نہ ہاتھ سے روکتے ہین، نہ زبان سے نہ دل سے نفرت کیجاتی ہے، بلکہ اعمال مین کوتاہی کرنے والون کے ساتھ وہی دوستی وہی بشاشت"

غرض قومیات و سیاسیات مین حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی تجدید و اصلاح کا لُبِّ لُباب یہ ہے، کہ مسلمانون کی قومی و سیاسی ترقی و کامیابی کا بھی پہلا قدم اللہ و رسول سے موالات ہے، نہ کہ ہندوون سے موالات یا انگریزون سے ترک موالات!

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی   کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

ارشاد ہے کہ

"جن مصالح (حکومت و سیاست وغیرہا) کی وجہ سے احکام الٰہیہ کو پامال کر رہے ہو وہ مصالح بھی خود ان احکام ہی کی اتباع پر موقوف ہین، یاد رکھو مسلمانون کو ہرگز اس طرح فلاح نہیں ہو سکتی کہ

وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنا دین، اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالین، باقی کفار کی
حالت دیکھ کر تم کو دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہین، (جس کی وجوہ
اوپر معلوم ہو چکین)

اور پھر ایمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر خدا کو ناراض کرکے سلطنت و حکومت سب کچھ مل جائے تب
بھی مومن ایسی سلطنت پر لات مار کر "پاخانہ اٹھانا" پسند کرے گا، جیسا پہلے یہ ارشاد مذکور ہو چکا کہ "خدا کی
قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اگر خدا راضی نہ ہو
تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جائے" (تنظیم العلم ص ۷)

ان اقتباسات بالا سے آج کل کی قومیات و سیاسیات کے باب مین حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ
کی جو تجدید و تحقیق ہے، وہ قدرے تفصیل کے ساتھ واضح ہو گئی، نیز اسی سلسلہ مین اجمال کے ساتھ اصلاح
کی حقیقی و عملی تجویز کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ کم از کم دس سال کے لئے یہ نام نہاد قومی و سیاسی
تحریکات بالکل بند کرکے ساری جد و جہد اور قوت و طاقت مسلمانون کو مسلمان بنانے مین صرف کی جائے،
یعنی موجودہ غیر اسلامی ماحول و حکومت مین بھی زیادہ سے زیادہ شریعت کے جتنے انفرادی و اجتماعی احکام
کا اتباع ممکن ہے، مسلمانون کو ان کا ہر ممکن تدبیر سے متبع بنایا جائے، اور یہ صرف عقائد و عبادات ہی کے
احکام نہ ہون، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت اور اخلاق، غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے
اصلاح اور کمال اسلام مدنظر ہو، کام صرف کمیت و تکثیر سے نہین چلا کرتا، کیف و کمال زیادہ ضروری ہے،
اور الحمد للہ کہ ہر طرف سے لادینی کی فضا اور ناموافق حالات کے محیط ہونے کے باوجود آج بھی شریعت کے
احکام و تعلیمات کے بیشتر بلکہ کہنا چاہئے کہ ننانوے فی صد حصہ پر عمل ہمارے اختیار و استطاعت مین ہے،
جیسا کہ اصلاح انقلاب وغیرہ پر حضرت جامع المجددین کے جامع اصلاحی و تجدیدی کارنامون پر
گفتگو کے سلسلہ مین بار بار عرض کیا جا چکا، باقی اگر اس راہ مین کچھ تھوڑی بہت محنت و مشقت یا مال و جاہ

ضرر پیش آئے، تو کیا جب ہم دنیا کی فانی عزت و راحت کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کی طلب مین اور دنیا کے
مجازی حاکمون کی رضا و خوشنودی کے حصول مین اپنے سارے وجود و وقت کے ساتھ غرق ہین، اور اس
راہ مین طرح طرح کی جسم و جان کی مشقتین اٹھاتے ہین، تو پھر آخرت کی غیر فانی و ابدی فلاح و راحت
اور خدا و رسول کی رضا و خوشنودی کی خاطر اگر ہم اتنی بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم ہمت نہین رکھتے، تو اپنے
ہی گریبان مین سر ڈال کر سوچنا چاہئے، کہ کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہین، کیونکہ مسلمان کے معنی
اس کے سوا کچھ نہین، جو اپنے نفس اور ساری دنیا کے مقابلہ مین خدا و رسول کی اطاعت و رضا جوئی کا
عہد باندھ چکا ہے، اس کے بعد ہم سے اگر ہمارا سب کچھ مانگ لیا جاتا تو بھی کچھ نہ تھا، لیکن دین کی تیسیر
سہولت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد ہے، کہ فرمایا جاتا ہے، کہ "بس کچھ تھوڑا سا تمہارا جان و مال وغیرہ
کا امتحان ہوگا" (لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ الخ)

پھر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی تجدیدی نگاہ مین اس وقت کے حالات اور بالخصوص دین
کے باب مین ہماری کمزوری و کم ہمتی پر نظر رکھ کر اس تھوڑے سے امتحان کا درجہ بھی یہی ہے، کہ حکومت کافرہ
تک سے نہ بالکلیہ کسی "ترک موالات" کو ضروری قرار دیا، نہ نوکریان ترک کرنے کو، نہ عدالتین چھوڑنے کو، نہ جیل
جانے کو، نہ گولیان کھانے کو، البتہ نوکریون مین کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے، کہ اگر کوئی اور
صورت معاش کی نہین تو تعلیمات وغیرہ کی دیسی نوکریان کرو، جن مین عدالتی عہدون وغیرہ کی طرح
شریعت کے احکام کی صراحۃً مخالفت نہ کرنا پڑے، بلکہ اگر اتفاق سے کسی ایسی ملازمت مین بھی مبتلا ہو، اور
کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کرکے اور زیادہ مفاسد مین پڑ جاؤ گے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل
نہین، اس کی پریشانیون مین پڑ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزہ کے فرائض سے بددل
ہونے کا ڈر ہو، (کاد الفقر ان یکون کفراً) تو ایسی صورت مین جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو

لہ یہ سب بجائے خود بالکل درست ہے لیکن ان الحکم الا للہ کی مودودی تشریح و تفسیر کے بالکل منافی (عبدالماجد)

ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے اور استغفار کرتے رہو، ساتھ ہی اس کی پوری کوشش کرتے رہو، کہ جلد از جلد اس سے نجات ہو، خواہ اس کوشش میں زندگی بھر کامیابی نہ ہو، مگر کوشش کا حق ادا ہو، محض کوشش کا نام نہ ہو، اسی طرح اگر دیکھتے ہو کہ کوئی ایسا مالی و جانی مقصد یا ناقابل تحمل ضرر پہنچ رہا ہے جس کے رفع کے لئے عدالتی چارہ جوئی سے چارہ نہیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، فقہاء نے ایسی صورتوں میں رفع ظلم اور حصول حق کے لئے رشوت تک کی اجازت دی ہے، اتنی سہولت و رعایت پر بھی اگر دین و شریعت کی پیروی و اطاعت سے گریز ہے، تو پھر دین کا نام ہی کیوں لیتے ہو،

چون بیک زخمے گریزانی ز عشق تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

آج کل پڑوس میں ایک بڑے عہدہ دار مقیم ہیں، یوں بیچارے نیک ہیں، بہر حال بڑے عہدہ دار ہیں، اُن کا تو ذکر ہی کیا اُن کے نوکروں چاکروں سے کبھی نماز اور مسجد کے لئے کہتا ہوں جو قریب ہی ہے تو طرح طرح کے بہانے کرتے ہیں، پھر کہتا ہوں کہ اچھا اگر پانچ روپیہ مہینہ دیا کروں کہ پانچ وقت مسجد جاکر نماز پڑھ لیا کرو تو اقرار کر لیتے ہیں، کہ ہاں صاحب تب تو ضرور جائیں گے، سمجھاتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ بھائی جب تمہارے نزدیک مہینہ بھر کی ڈیڑھ سو نمازوں کی قیمت پانچ روپیہ یا ایک وقت کی نماز کی قیمت گویا دو پیسے بھی نہیں تو پھر سمجھ لو کہ تم کتنے اور کیسے مسلمان ہو، بیچارے غنیمت ہے شرما جاتے اور بعضے کچھ ہاں ہوں بھی کر دیتے ہیں مگر اس سے آگے کچھ نہیں،!

غرض آج کی اصطلاح میں یوں کہو کہ یہ دس سال کی "منصوبہ بندی" حضرت نے پہلے مسلمانوں کی اسی شدید دینی بے حسی و بے پروائی کو دور کرنے کے لئے تجویز فرمائی ہے تاکہ اُن کے اندر دین کی طلب و رغبت اور زندگی کے تمام شعبوں میں احکام دین کی اطاعت کا اہتمام از سر نو زندہ ہو جو ان کی ساری قومیات و سیاسیات کی جڑ ہے، بلکہ یہی اُن کی عین قومیت و سیاست سب کچھ ہے، جب تک یہ جڑ از سر نو ہری نہیں ہوتی، نہ صرف دینی بلکہ کسی قسم کے دنیوی ترقی کے ثمرات بھی مسلمانوں کو نصیب نہیں ہو سکتے، مسلمانوں

کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ دینی ترقی کے تابع ہے، اس پر حضرت کو اتنا اذعان و اصرار ہے کہ تم دنیا ہی کی ترقی کے لئے اور دوسری تدابیر کی طرح بطور ایک تدبیر ہی کے اُس کو ایک دفعہ آزما تو دیکھو دنیوی ترقی کے پیچھے جان دینے والے مسلمانوں کو اس دنیا طلب دور کے مجدد کی طرف سے جب اس حد تک کی اجازت ہے، کہ تم دنیا ہی کے لئے دین کو ایک مرتبہ اختیار کر دیکھو تو پھر اس سے زیادہ اتمام حجت کے لئے کیا چاہئے، مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسلمان کسی نہ کسی راہ سے دین کو پکڑ لیں پھر اُس کی ذات میں تو وہ محبوبیت و کشش ہے، کہ اس کا ذوق شناس ساری دنیا کی ترقی اور ہفت اقلیم کی سلطنت لے کر بھی دین کے باغ کا ایک تنکا دینا گوارا نہ کرے گا،

گر ز باغِ دل خلالے کم بود
بر دلِ سالک ہزاران غم بود

مسلم لیگ صوبوں کی گروہ بندی کا سراب دیکھ کر دوڑ پڑی کہ بس اب دس سال میں پاکستان حاصل ہوتا ہے، لیکن اس سراب کے قریب جاکر کیا پایا، اکاش یہ مسلم لیگ مسلمانوں کے الاخصام پتھروں سے سر مارنے اور اسلام کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے اور اُن سے معاملہ کرنے کے بجائے ایک مرتبہ اسلام کے خدا پر صرف دس سال ہی کے لئے بھروسہ اور اُس سے معاملہ کرکے آزما دیکھتی کہ کیا ہوتا ہے[1]!

لیکن حضرت کی تجدیدی و ایمانی فراست نے اندازہ فرما لیا تھا، کہ مسلمانوں کے اندر اب کسی بڑے مرکز کے گرد خصوصاً دین کے نام سے جمع ہونے کے آثار نہیں، اور نہ ان میں اجتماعی راہ سے کام کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے، شاید اسی لئے اس دس سال کے خیال یا امیر کی مرکزیت کی بھی بس اس ایک آدھ اشارہ سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں ملتی، تبلیغ جیسے خالص دینی کام کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کہ

---

[1] یہاں یہ تصریح ضروری تھی کہ ہر حال میں اور سارے سیاسی اداروں سے مسلم لیگ ہی کی روش حضرت کے مسلک سے اقرب تھی، (عبد الماجد)

"کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے ہی گھر کا راز کھلتا ہے، آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام مین ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے، جس کام مین جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا، ہم نے اپنی حالت سے دوسرون کو دکھلا دیا ہے، کہ ہم مین اجتماع کے ساتھ کام کرنے کی بالکل قابلیت نہین" (تواصی بالحق ص ۴۴)

بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے اجتماعی کامون مین کام بہت کم مقصود ہوتا ہے، زیادہ تر نام و نمود کی خواہش، ریا اور نمایش ہی ہوتی ہے،

"کچھ ایسا مذاق بدلا ہوا ہے کہ اظہار و اشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہین جانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت مین دیکھو کہ اس کی طرف انگلیون سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ یہ بہت کام کرتا ہے، اُس کو شمار مین نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو فارجوہ تو اس سے امید رکھو، انشاء اللہ کامیاب ہوگا، (ص ۴۳ تواصی بالحق)

یہ اعتدال اجتماعی کامون مین بالخصوص جب ہی ممکن ہے، کہ کام کے لئے جمع ہونے والون مین عقل و فہم کے ساتھ دین و اخلاص بھی جمع ہو جس کا آج کل ہم مین قحط اور نفس و نفسانیت کا زور ہے، اس لئے اب حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ امیر و امارت یا کسی بڑے مرکز و مرکزیت کے بجائے انفرادی طریق کار کو زیادہ پسند فرماتے تھے، یا اجتماعی صورت ہو تو وہ بھی مختصر اور آج کل کے اشتہاری و نمایشی طریقون کے بغیر،

"بس جس سے جتنا ہو سکے اللہ کا نام لے کر شروع کر دے، نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سکرٹری کی، بس دو چار، پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکین کام شروع کر دین، اور کوئی متفق نہ ہو سکے، تو تم اکیلے ہی شروع کر دو، گاؤن والون کو کلمہ پڑھا دیا، نماز سکھلا دینا تو ایسا کام ہے کہ جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کر سکتا ہے، ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو (ص ۴۳ تواصی بالحق)

اور ہر چند کہ ایک مرکز کا سب کو تابع ہونا بہت اچھا ہے، مگر آج کل دشواری تو یہی ہے کہ مرکز کس کو بنایا جائے...... اس لئے کسی مرکز یا انجمن کے تابع ہو کر کام کرنا آج کل دشوار ہے، بس سہل صورت یہ ہے کہ ہر ضلع کے مسلمان باہم مل کر ایک مُبلّغ اپنے لئے مقرر کر لین، جس کی تنخواہ خود دیا کرین، اگر ضرورت کا احساس اور اس کی فکر ہو جائے تو یہ کوئی مشکل کام نہین،..... البتہ اتنی ضرورت پھر بھی ہوگی، کہ مُبلّغ کی تجویز اور راہِ عمل کی تحقیق کے لئے کسی ایک عالم کو مشورہ کے لئے منتخب کر لو، اُسی کے مشورہ سے مبلغ رکھو، اور اُسی کی رائے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کرو"

غرض حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک چونکہ ہمیشہ اور خصوصاً اس وقت سب سے ضروری و مقدم کام تبلیغ ہی ہے، یعنی مسلمانون کو مسلمان بنانے کی فکر، قومی و سیاسی ترقی وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو اس کا بھی مسلمانون کے لئے واحد راستہ یہی ہے، کہ وہ اپنے ایمان و عمل ظاہر و باطن مین پورے پورے مسلمان بن جائین، اس لئے دعوت و تبلیغ دین کی عام و خاص انفرادی و اجتماعی تمام ماثور و ممکن صورتون کی طرف کثرت سے مواعظ وغیرہ مین متوجہ فرمایا ہے، جس کی تفصیل اوپر تعلیم و تبلیغ کے باب مین گذر چکی، اور اگر مسلمانون کو مسلمان بنانا ہے، اور قومی و سیاسی ترقیان جو کچھ بھی کرنا کرانا ہین مسلمان رہ کر کرنا کرانا ہین، یا بالفاظ دیگر ہر طرح مسلمان ہی رہ کر جینا مرنا ہے، تو سب سے پہلے سارے مسلمانون کی دینی اصلاح و تجدید کے اسی ہدایت نامہ یا پروگرام کو پکڑنا اور پھیلانا چاہئے، جو حضرت جامع المجددین نے پوری جامعیت کے ساتھ اس باب مین ہماری کامل رہنمائی کے لئے چھوڑا ہے، اور جس کو راقم الحروف نے اوپر تعلیم و تبلیغ کے عنوان کے تحت اس طرح پیش کرنے کی سعی کی کہ تمام اجزا بیک نظر سامنے آجائین

(باقی)

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مع اضافہ مسعود عالم ندوی ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت ۱۲؍ "منیجر"

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

۸ چلپی عبد اللہ | عبد اللہ نام چلپی غالباً لقب یا خاندانی نسبت تھی، شاہجہاں کے زمانہ میں رومؒ سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے،[۲]

ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصاً صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی، تصوف وحکمت میں کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"از علوم ظاہری ومعارف باطنی بہرہ تمام داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیۂ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ .... در علوم تصوف وحکمت تالیفات رائقہ وتصانیف لائقہ دارد (ص۲۹)

ملا سعد اللہ کو جو عالمگیر کے مقربین میں تھے ان سے بڑا تعلق تھا، غالباً انہی کے ذریعہ دربار میں پہونچے، اور فتاویٰ عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا،[۳] تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"و چلپی عبد اللہ بترجمۂ آں (فتاویٰ عالمگیری) مامور بود"[۴]

عالمگیری کا مترجم کون تھا؟ | اس بارہ میں کہ فتاویٰ عالمگیری کا فارسی مترجم کون تھا؟ ارباب تذکرہ کے

۱؎ روم سے مراد ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے، ۲؎ فرحۃ الناظرین ص۲۹ ۳؎ مراۃ العالم قلمی نسخہ ص۲۷۵،
۴؎ قلمی نسخہ دار المصنفین نقل از نسخۂ خدابخش خان لائبریری پٹنہ

بیانات مختلف ہیں، تبصرۃ الناظرین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم چلپی عبد اللہ تھے جو ترکی سے آئے تھے فرحۃ الناظرین میں صرف اتنا ہے،

(چلپی عبد اللہ) در نوشتن فتاویٰ شامل حال ومامور بود (ص۲۹)

بختاور خاں کا بیان ہے کہ فتاویٰ کے ترجمہ کے لئے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے چلپی (صحیح ملا) عبد اللہ مقرر ہوئے تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"چلپی عبد اللہ خلف ارشد قدوہ فضلائے نامدار مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی با چند تلامذہ بترجم نوشتن ایں کتاب بفارسی مامورست (مراۃ العالم ص۲۷۵)

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کے مترجم ملا عبد اللہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ نہیں، بلکہ چلپی عبد اللہ ترکی تھے،

عالمگیر کے دربار میں عبد اللہ نام کے دو عالم تھے، ایک ملا عبد اللہ اور دوسرے چلپی عبد اللہ کے نام سے مشہور تھے، صاحب مراۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبد اللہ کو ملا عبد اللہ سمجھ کر مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاویٰ کا مترجم قرار دیدیا، اور ان کے نام کے آگے چلپی کی نسبت رہنے دی، حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبد الحکیم کے صاحبزادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علما منسوب ہیں، کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں، ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آتا،

ملا عبد اللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ مراۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۰ھ تک کے واقعات درج ہیں، جب کہ ملا عبد اللہ سیالکوٹی اس وقت تک دربار شاہی سے منسلک بھی نہ ہوئے تھے، بلکہ اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۷۸ھ میں دربار سے

ان کا تعلق ہوا اور فتاوی عالمگیری کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا[1]، صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۸۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے،

"مولوی عبد اللہ، ہنوز ملازمت عالی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، قبلۂ عالم نے حسن اجمال سے ان کے نام پیام شوق روانہ فرمایا، کہ جہاں پناہ کے لاہور پہونچنے پر فاضل مذکور اپنے وطن سے روانہ ہو کر اس شہر میں بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں، مولوی عبد اللہ لشکر شاہی کے ورود سے دو تین روز پیشتر ہی لاہور پہنچ گئے تھے، مولوی مذکور چند مرتبہ خدمت شاہی میں حاضر ہو کر صحبت فیض اثر سے بہرہ اندوز ہوئے، بادشاہ علم پرور نے فاضل سیالکوٹی کو خلعت خاص اور دو سو اشرفیاں ماؤ نیل عطا فرما کر ان کو وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی،" (ص ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ چلپی عبد اللہ ترکی تھے،

۷ سید علی اکبر سعد اللہ خانی | غالباً دلی کے باشندے تھے عقلی علوم میں انھیں کافی دستگاہ تھی خصوصیت سے علم دانائی (فقہ) میں یکتائے روزگار تھے فرحۃ الناظرین میں ہے،

اکثر فنون دانش ورزیدہ و بر غوامض و دقائق علوم آگہی داشت وسیما در فقہ (ص ۸۳)

محبوب الاحباب میں ہے،

"در اکثر فنون مہارتے کامل داشت علم فقہ نیک می دانست"

سعد اللہ خاں کے خاص ہمنشینوں اور ہم جلیسوں میں تھے، ان کا زیادہ وقت سعد اللہ خاں ہی کے پاس گذرتا اسی تعلق سے وہ سعد اللہ خانی مشہور ہو گئے تھے، سعد اللہ کے ایک لڑکے لطیف اللہ خاں[2]

[1] خود مراۃ العالم کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۸۶ھ سے پہلے فتاوی کے ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا،

[2] عالمگیر کے دربار کا بڑا مقبول امیر تھا، مآثر الامراء میں اس کا تذکرہ موجود ہے، عمدۃ الملک اس کا خطاب تھا،

کی تعلیم و تربیت بھی انہی کی نگرانی میں ہوئی، لطیف اللہ نے آپ کے فیض صحبت سے علوم میں اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی،

غالباً سعد اللہ خاں ہی کے واسطے سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی، اور فتاوی کی تالیف میں شریک کئے گئے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"بتالیف فتاوی عالمگیری مامور شدہ بعنایت خلیفہ رحمانی امتیاز داشت،" (ص ۸۴)

مآثر عالمگیری نے ۱۰۹۰ھ کے واقعات کی ضمن میں سید علی اکبر قاضی کا ذکر کیا ہے، اگر یہ سید علی اکبر یہی مولف فتاوی ہیں تو صاحب مآثر کے بیان کے مطابق وہ لاہور کے قاضی بھی رہ چکے تھے، اور وہیں امیر قوام الدین ناظم لاہور کی سازش سے قتل ہوئے، ان کے قتل کا مقدمہ چلا، اس سلسلہ میں امیر قوام الدین کو لاہور کی نظامت سے برطرف کر کے عدالت شاہی میں لایا گیا، مگر ان کے صاحبزادہ نے قوام الدین کے اعزہ و اقارب کی سفارش سے قصاص معاف کر دیا، اور وہ رہا ہو گیا،[1]

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادے بھی تھے،

۸ سید نظام الدین ٹھٹھوی | شہر ٹھٹھہ (سندھ) اصلی وطن تھا، فقہ میں کافی دستگاہ تھی، اسی علم دانائی (فقہ) نے انھیں دربار شاہی میں پہونچایا، اور وہاں مختلف مناصب پر مامور رہے، اور دوسرے علماء کے ساتھ انھوں نے بھی فتاوی کی تالیف میں حصہ لیا، تذکرہ علمائے ہند کے علاوہ کسی اور تذکرہ میں ان کا حال نہ مل سکا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے،

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ او فق انام دور علوم اعلم کرام بر آمدہ بجذبۂ طبع گرائیدہ سوی شاہجہاں آباد شتافت و در تالیف فتاوی عالمگیری بسے مشکلات حل کردہ" (ص ۲۴۷)

۹ قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی | آپ شہر ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے آپ کی زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

[1] مآثر عالمگیری ص ۱۳۱،

"در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور ماخذ فقہ پر پوری نظر رکھتے تھے،

جلال الدین محمد | مچھلی شہر ضلع جون پور کے باشندے تھے، آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی نثار الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض علماء میں تھے مل جاتا ہے،

آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی، خصوصیت سے فقہ وحدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"فقاہ در فقہ وحدیث بزمان او نظیرش نمیتوان یافت،، (ص ۱۲۱)

درس وتدریس | آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس وتدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا، اور ہزاروں تشنگان علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، مشاہیر جون پور میں ہے،

"مشغلۂ درس وتدریس مادام الحیات مرعی داشت اکثری فضلاے ایام باو پیوستند وگلہاے فیض فراوان چیدند" (ص ۱۲۱)

عالمگیر کو جب آپ کے علم وفضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلاکر شاہی دربار کے علماء میں شامل کیا،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصۂ اول کی تالیف آپ کے سپرد ہوئی، مشاہیر جون پور میں ہے،

"از تصنیفات وتالیفاتش فتاویٰ عالمگیریہ حصۂ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمود،، (ص ۱۲۲)

وفات | سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے:-

"قبرش در قصبہ مچھلی شہر جانب جنوب بر سرحد موضع اونیا پور است (ص ۱۲۲)

ملا حامد جونپوری | حامد نام، جون پور وطن تھا، عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلی[۱] کی خدمت میں پہونچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے اور بعض کتابیں اسی عہد کے ایک اور صاحب علم دانشمند خاں[۲] سے پڑھیں، تکمیل تعلیم کے بعد شاہی دربار کے ان علماء کے زمرہ میں لے لئے گئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا،[۳]

شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر سریر آرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور منصب کو برقرار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم وتربیت انہی کے سپرد ہوئی، اور فتاویٰ کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در عہد عالمگیر داخل مولفین فتاوی شد، (ص ۲۶۴)

ارباب تذکرہ نے زمانہ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے[۴]،

شیخ رضی الدین | بھاگلپور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے، علم وفن میں تبحر کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے[۵]، دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور ہوئے، فتاویٰ عالمگیری کی

---

[۱] منطق میں میر زاہد انہی کی تصنیف ہے [۲] وزیر امور ممالک غیر تھے [۳] فرحۃ الناظرین تذکرہ علمائے ہند [۴] صاحب مشاہیر جونپور نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اسکے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں دلی سے جونپور واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی، انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، جونپور کا ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے، شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھتا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شاہزادہ اکبر کی تعلیم انکے سپرد ہوئی، اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر سے مراد شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے تو یہ ملا حامد دوسرے تھے اور اگر اس سے مراد عالمگیر کا لڑکا اکبر ہے تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن صاحب مشاہیر نے فتاویٰ کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچک نسخہ از تصنیفاتشان شہرتے ندارد،، (ص ۹۳)

[۵] ترجمہ ماثر عالمگیری (ص ۶۲)

کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی، اس کے معاوضہ میں دربار شاہی سے تین روپیہ یومیہ ان کو ملتے تھے، آثار عالمگیری[1] میں ہے،

"شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے شرفا میں تھے، یہ فاضل مؤلفین فتاویٰ عالمگیری میں شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی، (ص ۲۲)

مولانا محمد شفیع مولانا محمد شفیع اور ان کے خاندان کے تین اور عالموں کے حالات جو فتاوی کی تالیف میں شریک تھے زیادہ تر سید طہٰ صاحب کے مضمون "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" سے ماخوذ ہیں،

مولانا محمد شفیع عہد عالمگیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے، عالمگیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، شجرۃ الاصل النورانیہ میں ہے[2]

"مولانا ے مااشتہار عام دارند بادشاہ عالمگیر رجوع باو داشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند"

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے، جدی وطن بغداد تھا، ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کرکے غزنی، وہاں سے سرہند پھر دہلی اس کے بعد بہار آئے، اور یہیں بود و باش اختیار کرلی، ان کے خاندان کے بعض لوگ ابتک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں،

"ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت و سفر در عنفوان بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع قدس اللہ سرہم القدسی درین علاقہ بہار رسیدہ بودند، اصل ایشاں از سرہند بود، چنانچہ ہم بتحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد و بغزنی نزول فرمودند و ازانجا بسرہند و ازانجا بہ دہلی و ازانجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی"

---

[1] یہ کتاب آج سے ساٹھ برس قبل کی تصنیف ہے، اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے، [2] شجرۃ الاصل النورانیہ

سنہ ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی، البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیران محی الدین قلندری کی خدمت میں کی،

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے، مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے،

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق .... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شد"

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی، خاندان والے ان کے سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے، کہ ان کی تاریخ وفات ۱۱ شوال ہے، ملفوظات گنج رشیدی اور سند شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور سنہ ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے،

"ملا محمد شفیع ساکن اتھوا کہ عمر یک صد و یک سالہ داشتہ اند"

سند شاہی کی عبارت یہ ہے،

"رمضان سنہ ۱۶ جلوس (سنہ ۱۰۸۴ھ) بکرر بعرض رسید"

آپ کی اولاد میں قاضی بدیع الزمان بڑے پایہ کے عالم تھے،

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں، اور ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر کردیا، پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو تیس بگھہ اراضی پرگنہ اوکری میں دیدی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے، جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے،

"شرح یادداشت واقعہ در سنہ بست و ہشتم شہر رجب ۱۵ سنہ جلوس والا موافق ۱۰۸۳ سنہ
برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت بادشاہی قابل مرحمت
شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضویخاں و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ
میرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلیٰ رسید کہ بموجب فرمان والا شان سعادت نشان مرقوم
تاریخ ... ربیع الاول ۱۱ سنہ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ ... بطریق یومیہ ہر سال
ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری ہمراہی شیخ
وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود و ثانی الحال در حکم
علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ، مشارٌ الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، و جمع کثیر وابستہ دارد،
امیدوار است کہ حکم جہاں مطاع عالم مطیع صادر شد کہ موازی یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق
زراعت خارج جمع از اوکری سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم و اگر
محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند، واقع، جمادی الاولیٰ
۱۵ سنہ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح بہ خط سیادت و نقاہت پناہ شرافت
و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضویخاں گہ داخل واقع نمایند، شرح بخط واقع نویس
مطابق واقع است، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت، مقرب
الخضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت
دستگاہ شایستہ انواع عنایات ...... سزاوار اصناف مراحم بادشاہی بخشی الملک اسد خاں
گہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ ..... رمضان ۱۶ سنہ
جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک گہ
فرمان عالیشان قلمی نمایند، از ربیع اوّل شرح یومیہ بموجب فرمان عالیشان باسم محمد شفیع

بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری مقرر بود، بعہدہ درین دلا از پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد"

ملا وجیہ الرب | آپ کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، فرمان شاہی کی اس عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی معنوی کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے، اور دربار کی طرف سے انکو بھی وظیفہ ملتا تھا،

"بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری ہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد
شیخ شریف محمد مقرر بود"

مولانا محمد فائق | مولانا محمد شفیع کے صاحبزادے قاضی بدیع الزماں کے خسر اور فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے، اس کے عوض میں دربار سے عہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا، پھر بعد میں کچھ زمین جاگیر میں دیدی گئی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز جمعہ ششم شہر ذیقعدہ ۱۶ سنہ جلوس والا موافق ۱۰۸۳ سنہ مبلغ دو و نیم روپیہ
بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری
عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت از پرگنہ انگل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش
او مرحمت فرمودیم"

ملا محمد اکرم | مولانا محمد فائق کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے اور انکو بھی دربار شاہی سے یومیہ وظیفہ ملتا تھا،

"مبلغ دو و نیم روپیہ بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا اکرم در وجہ معاش ...... بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری"

دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، ۱۱۰۹ھ میں اردوئے معلیٰ کے قاضی ملا عبداللہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا، مآثر عالمگیری میں ہے،

"قاضی عبداللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیرباد کہا ان کے بجائے محمد اکرم جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، اردوئے معلیٰ کی خدمت قضا پر حضور پرنور میں طلب فرمائے گئے،" (ص ۳۸۱)

خاتمۂ مسئلۂ سُود وقمار وغیرہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

بعد الحمد والصلوٰۃ، معارف نمبر ۶ بابت دسمبر ۳۶ء میں میرے محترم بزرگ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے عنوانِ بالا کے تحت چند سطور سپرد قلم فرما کر بندۂ ناچیز کو یاد فرمایا ہے، ؎

اے یاد آمدنت باعثِ آبادی ما

جواباً گذارش ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی، ان رقوم کو جو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لی جائیں، میں اس لئے ناجائز کہہ رہا ہوں کہ اُن کی حیثیت ہندوستان میں متلصص یا اسیر (جاسوس اور قیدی) کی نہیں، بلکہ اُن کی حیثیت مصالح اور مستامن کی ہے جس کے حق میں نفوس اہلِ حرب باتفاق معصوم ہو جاتے ہیں، اور جس کی جان معصوم ہو میرے نزدیک اس کا مال بھی معصوم ہے، اور مال معصوم کو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لینا حرام ہے، گو باہمی رضامندی کے ساتھ ہی ہو،

پس مجھے جناب والا کا یہ مقدمہ مسلم نہیں، کہ

"شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مُباح کر چکی ہے"،

اور دوسرا مقدمہ کہ

"حکومت کا قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے"

تنہا بدون پہلے مقدمہ کے کافی نہیں کیونکہ قانونِ وقت تو طوائف کی اجرت زنا و اجرت غنا

کو بھی جائز قرار دیتا ہے، اور اس کے حکام اس کی ڈگریاں بھی دیتے ہیں، مگر کوئی بھی اس کو وجہ جواز قرار نہیں دیسکتا، کیونکہ قانون شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی اور عقد ربا کا گناہ زنا وغنا سے کم نہیں، نہ اس سے حاصل کیا ہوا مال حرمت میں مالِ زنا سے کچھ کم، پس جب تک یہ مقدمہ ثابت نہ ہو، کہ مُصالح و مُستامن کے حق میں اموال اہلِ حرب معصوم نہیں، بلکہ مُباح ہیں، اس وقت تک اس کو متلصص یا اسیر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، جس کے حق میں نہ نفوس اہلِ حرب معصوم ہیں، نہ اُن کے اموال، بندہ نے اپنے مضمون میں اس مقدمہ پر تفصیل کے ساتھ پوری روشنی ڈال دی ہے کہ جن لوگوں کے نفوس معصوم ہیں، اُن کے اموال بھی معصوم ہونے چاہئیں، قرآن و حدیث کی کسی دلیل سے اس تلازم کی نفی نہیں ہوتی، علامہ سرخسی کا مستامن و مصالح کے حق میں نفوس اہلِ حرب کو معصوم مان کر اموال کو غیر معصوم و مُباح قرار دینا محتاج دلیل ہے، جو اب تک میری نظر سے نہیں گذری مولانائے محترم جس وقت بھی اس کی کوئی واضح قطعی دلیل قرآن و حدیث سے پیش فرما دیں گے، اسی وقت ساری نزاع ختم ہو جائے گی اور اگر وہ یہی فرمادیں کہ اُن کے فتوی کا مدار صرف فقہ حنفی کے ایک قول پر ہے، دلائل قرآن و حدیث پر نہیں، تب بھی مجھے کوئی اختلاف نہ ہوگا، گو میرے نزدیک اس باب میں فقہ حنفی کا یہ قول قوی نہیں، بلکہ امام ابو یوسف کا قول قوی ہے، جو ظاہر قرآن و حدیث کے موافق اور جمہور اُمت کے قول سے مؤید ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امراہ،

"نزہتہ الارواح" کا مکمل نسخہ

از

جناب حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی، سیالکوٹ

معارف نمبر ۴ جلد ۵۰ مین مولوی عبد الحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ایک تبصرہ کتاب نزہتہ الارواح پر شائع ہوا تھا، پھر معارف نمبر ۶ جلد ۵۰ مین زاد المسافرین اور نزہتہ الارواح پر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے بعنوان دو کمیاب کتابین کے عنوان سے مزید گفتگو کی ہے، اتفاق کی بات ان دونون ارباب ذوق کے پیش نظر کتاب مذکور کے ناکمل نسخے تھے چنانچہ اول الذکر فرماتے ہین،

"کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے، تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہین"

پھر ثانی الذکر جناب سید صاحب کا ارشاد ہے:-

میرے لئے رنج دہ بات سب سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے اوراق آخر مین غائب ہین حتی کہ مصنف کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان علام نے نقل فرمایا ہے، وہ بھی اس نسخہ مین باقی نہین، اس نسخہ کے فصل بست و ہشتم کے دو صفحے پورے کرکے لکھا ہے، "چون شیخ بقصد رسید الی قولہ ماندگان را (باقی مفقود) ہے"

میرے پاس نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ موجود ہے، اور وہ قلمی کے بجائے مطبوعہ ہے، یہ نسخہ مطبع غزنوی مین طبع ہوا ہے، سنہ طبع مکتوب نہین، کاغذ زرد ہے، خط نہ بہت صاف اور نہ زیادہ خراب، حاشیہ مین مغلق الفاظ اور عربی اشعار کا ترجمہ درج ہے، کتاب مین ۲۸ فصلین ہین، جو ۶۷ صفحات مین ہین، اور اختتام کتاب

کی عبارت وہی ہے جو مولوی عبد الحمید خان صاحب نے مورد بالا معارف مین نقل کی ہے،

ابتدا عربی خطبہ حمد وصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اور

"قال سیدنا ومولانا الشیخ الاجل الی قولہ رکن الحق والدین حسین بن عالم ابی الحسن الحسینی الخ"

کے الفاظ دلالت کرتے ہین، کہ یہ خطبہ الحاقی ہے، شاید ان کے کسی تلمیذ نے لکھا ہو،

خطبہ کے بعد یہ نظم ہے،

تو فیقش چو دیدم روشن آواز — سخن را ہم بنامش کردم آغاز

بگوا اے مرغ زیرک حمد مولیٰ — کہ ہست او را سپاس منت اولیٰ

جناب سید مقبول صمدنی صاحب نے لکھا ہے کہ فصل بست و ہشتم الخ یہ صحیح نہین ہے، مین نے اُن کی منقولہ عبارت کا مقابلہ کتاب سے کیا ہے، تو منقولہ عبارت فصل بست و ہفتم کے ڈیڑھ صفحہ کے بعد مجھے ملی جس کے آگے یون ہے،

"گفت اے کرامت یار ماندگان را دستگیر واے لطف از دست رفتگان، الخ"

اگر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی اگر اپنا پتہ بھیجین تو بقیہ صفحات ان کو بھیج دونگا،

سیرت عائشہ رضہ

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات،

قیمت عہ، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

استفسار و جواب

پٹھان اور مغل کی وجہ تسمیہ

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی
مدیر صدق، دریاباد ضلع بارہ بنکی

صدق میں ایک سوال نامہ آیا ہوا ہے:۔
مجھے عرصہ سے مغل اور پٹھان کی تحقیق کی ضرورت ہے

بعضون کا خیال ہے کہ جن مسلمانون نے ہندوستان کو فتح کیا، اُن کو فتح خان یا فتحان کہتے تھے یہی رفتہ رفتہ پٹھان ہوگیا، بہر حال سوال یہ ہے کہ ان دونون قومون کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور ان کا سلسلۂ نسب کیا ہے؟ "جواب ان کا خواہ معارف ہی مین نکلے، خواہ صدق کے لئے الگ آجائے، بہر حال مجھے اطلاع جلد مل جائے تو بہتر ہے"۔

معارف: گرامی نامہ سے سرفراز ہوا، مدت کے بعد جناب والا نے یاد فرمایا، یاد فرمائی کے لئے شکر گذار ہون،

لفظ پٹھان کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال منقول ہین، جن مین سے بعض کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہے، جیسے فرشتہ کا بیان کہ چونکہ افغان پٹنہ مین آکر آباد ہوئے تھے، اس لئے وہ "پٹھان" کہے گئے حالانکہ پٹھانون کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ پہلے شمالی مغربی ہند کے میدان پنجاب و سندھ مین آکر آباد ہوئے تھے شمالی مشرقی میدان مین وہ اس کے بہت دنون کے بعد آئے تھے، اسی طرح مرسلہ سوال نامہ مین پٹھان کی وجہ تسمیہ فتح خان یا فتحان جو بیان کی گئی ہے اس کو بھی اسی قسم کی ایک بے اصل روایت سمجھنا چاہیے،

پٹھانون کو افغان بھی کہا جاتا ہے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ پٹھان دراصل وہی ہین، جو افغانستان سے آئے ہین، اس لئے افغان اور پٹھان، دونون ہم معنی لفظ قرار پاتے ہین، اور اسی لئے ہندوستان مین پٹھانون کی حکومت کو افغانی حکومت سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن بعض لوگون نے ان دونون کے مفہوم کے اطلاق مین فرق کیا ہے، اور افغان سے چند مخصوص قبائل دُرّانی وغیرہ کو مراد لیا ہے، اور پٹھان سے ان تمام قبائل کو موسوم کیا ہے، جو پشتو زبان بولتے ہین،

حقیقت یہ ہے کہ اس قوم کو افغان کے نام سے ابتداءً لٹریری طور پر غیر ملکیون نے موسوم کیا، پھر رفتہ رفتہ دُرّانیون اور بعض دوسرے پٹھان قبائل نے اپنے کو افغان کے نام سے موسوم کرلیا، اور باقی ماندہ دوسرے قبائل غلزئی، آفریدی، بنگش، شیرانی اور استرانی وغیرہ حسب سابق پٹھان کہے جاتے رہے، کیونکہ محققین کے نزدیک اس قسم کی کوئی تقسیم کسی تاریخی یا روایتی بنیاد پر کبھی نہین کی گئی، بلکہ اصلیت کے اعتبار سے ان دونون کا قدیم قومی نام پشتان "(Pashtan) یا پکھتان" (Pakhtan) تھا جو مقام پشتانا (Pashtana) یا پکھتانا (Pakhtana) کی طرف منسوب تھا، اور یہی قدیم لفظ آگے چل کر تلفظ مین پٹھان بن گیا،

اس لئے ان دونون قسم کے قبائل درانیون اور غلزیون وغیرہ مین افغان اور پٹھان کہے جانے مین جو کچھ فرق ہے، وہ آگے چل کر محض اعتباری طور پر اختیار کیا گیا، ورنہ نسل و وطن یا کسی تاریخی روایت کی بنیاد پر ابتداءً ان مین باہم کوئی امتیاز نہین تھا،

البتہ جب آگے چل کر ان مین بعض کے وطن مین بھی تبدیلی پیدا ہوئی، اور ان مین کے بعض قبائل مغرب سے مشرق کی سمت، قندہار وغیرہ کے علاقہ مین آکر آباد ہوگئے، تو اُن کی اور دوسری قومون کی آبادی مخلوط ہوئی، اس وقت انھین ان دوسری قومون سے ممتاز کرنے کے لئے خاص طور پر اُن کے قدیم نام پٹھان سے موسوم کیا گیا، کیونکہ یہ لوگ یہان گندھار (قندھار) مین ہندوستانی نوآبادی سے آکر

ہے تھے، اور انہی ہندوستانیون سے انھون نے پشتو زبان سیکھی تھی، کیونکہ یہ زبان بھی پراکرت ہی کی ایک شاخ ہو اور شاید انہی کی نسبت سے پشتو سے موسوم ہوتی ہے، اس طرح یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ افغانستانی جو مغرب سے مشرق کی سمت مین آگئے، وہ لوگ اگرچہ مغربی افغانستانیون سے نسل مین تو متحد رہے مگر وطن مین ان سے اختلاف پیدا ہوگیا، اور اب پٹھان کا نام جو ان دونون گروہون کا قدیم قومی نام تھا، خاص طور پر ہندوستان اور اس کی سرحد مین اس نوآباد گروہ کے لئے مخصوص ہوگیا، ورنہ قدیم قومیت کے اعتبار سے ہر افغانستانی خواہ وہ مغربی افغانستان کا ہو یا مشرقی کا، یا ہندوستان کے شمالی میدان مین مغربی حصہ مین آباد ہوا ہو یا مشرقی مین، وہ پٹھان ہے، اور اس لحاظ سے ان مین کا ہر گروہ اس نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے،

معارف بابت ماہ جولائی ۱۹۴۶ء مین ایک استفسار کا جواب "پٹھانون کی تاریخ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس سے اس سلسلۂ گفتگو مین مزید معلومات مل سکتے ہین، خصوصاً ایسی فارسی اور اردو کی کتابون کا پتہ چلے گا، جن مین پٹھانون کی قومیت، نسل، وطن، اور سیاسی کارنامون کا خاص طور پر ذکر آیا ہے، مناسب ہے کہ مزید معلومات کے لئے اس استفسار و جواب کی طرف رجوع کیا جائے،

باقی رہے مغل تو اُن کا پٹھانون سے کوئی تعلق نہین، امیر تیمور کا شاہی خاندان جس نے ہندوستان مین حکومت کی، نسلاً ترک تھا، وہ یہ لوگ مغل اس لئے کہے گئے، کہ امیر تیمور کا یہ قدیم ترکی قبیلہ دراصل منگول سے وابستہ تھا، اس لئے مغل کے قدیم نسل و وطن کی ساری داستان وہی ہے، جو منگول کے نام سے تاریخون مین ملتی ہے، "منگول" یا "مونگل" کے لغوی معنی "جوانمرد" یا "دہیلی" قوم کے بیان کئے گئے ہین، یہ قوم دراصل تنگوسی قبیلہ پر مشتمل تھی، تنگوسی ایک قدیم ترکی قبیلہ سائبریا کلان کے ممتاز قبائل مین سے تھا، اسی لفظ مونگل یا منگول سے لفظ مغل بنا ہے، اور ہندوستان مین مغل وہی ہین، جو یہان کے حکمران مغلیہ خانوادہ سے سلسلۂ تعلق رکھتے ہین، لیکن آج کل ان سرحدی پٹھانون کو جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین کاروبار کرتے ہین، عوام مغل کہتے ہین، اس کو امر واقعہ اور تاریخی حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہین ہے،

یہ محض ان کا ایک عرفی نام ہے، جس سے اُن کی شہرت ہوگئی ہے،

والسلام

"س"

"تاریخ شمشیر خانی" اور "فیاض القوانین"

جناب عبدالرشید صاحب نسیم
استاذ گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان

"یہان ایک دوست کے پاس دو قلمی کتابین دیکھنے کا اتفاق ہوا، ایک کا نام شمشیر خانی ہے، جس مین نامہ خسروان کے طرز پر ایرانیان قدیم کے حالات ہین، اور دوسری کا نام فیاض القوانین ہے، جس مین شاہان مغلیہ کے فرامین، خطوط اور دوسری تحریرات ہین، ان دونون کتابون کی تاریخی حیثیت سے اطلاع فرمائیے"

معارف:- کتاب شمشیر خانی معروف تصنیف ہے، یہ شاہجہانی عہد مین ۱۰۶۳ھ مین تالیف ہوئی، اس کا مصنف توکل بیگ ولد تولک بیگ ہے، وہ شاہزادہ داراشکوہ کے معتمد علیہ لوگون مین سے تھا، داراشکوہ نے اس کو اپنے کابل کی صوبہ داری کے زمانہ مین "وقائع نویس" کی حیثیت سے غزنی بھیجا تھا، کتاب شمشیر خانی اُس نے اسی زمانہ مین غزنی کے گورنر محمد حیات شمشیر خان کی فرمائش سے لکھی تھی، یہ دراصل شاہنامہ فردوسی کا نثر مین خلاصہ ہے، چونکہ یہ کتاب شمشیر خان کی فرمائش سے تیار ہوئی تھی، اس لئے مصنف نے اس کو "تاریخ دلکشائے شمشیر خانی" سے موسوم کیا، اس کے بعض نسخون پر اس کا نام "منتخب شاہنامہ" اور بعض پر "خلاصہ شاہنامہ" بھی درج ہے، یہ نسخے کتب خانہ برٹش میوزیم مین موجود ہین، (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۳۹) بانکی پور اور دوسرے کتب خانون مین بھی اس کے نسخے عام طور پر موجود ہین،

ہمارے کتب خانہ دار المصنفین مین بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے، اس کے دیباچہ مین اس کو "تاریخ دلکشائی شمشیر خانی" سے موسوم کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے "منتخب شاہنامہ" یا "خلاصہ شاہنامہ" کے نام سے جو نسخے ہین ان کو کسی نے معنی کے اعتبار سے ان نامون سے موسوم کر دیا ہے، ہمارا نسخہ ایک ہندو کاتب رگھونندن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس کو اُس نے ۱۲۲۰ فصلی مین قصبہ بھول پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ کے ایک زمیندار

سرنام سنگھ کے لئے لکھا تھا،

فیاض القوانین دراصل تیموری سلاطین امراء اور دوسرے حکمرانوں کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، اس زمانہ میں مکاتیب کے مجموعے انشاء کی تعلیم کے لئے تیار کئے جاتے تھے، اس میں شاہجہان، عالمگیر، جہان آرا، دارا شکوہ، شجاع، مراد بخش، جعفر خان، وزیر اورنگ زیب اور دوسرے حکمران عادل شاہ، قطب شاہ اور جے سنگھ وغیرہ کے خطوط ہیں، جو تین جداگانہ بابوں میں مرتب کئے گئے ہیں، اس کا ایک نسخہ نواب علی حسن خان صاحب مرحوم بھوپال ہاؤس لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

چند وفود عرب کے بارگاہ نبوی میں پہنچنے کی تاریخ

جناب جلال الدین احمد صاحب جعفری
مطبع انوار احمدی - الہ آباد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ حسب ذیل وفود فتح مکہ سے قبل آئے تھے، یا بعد، اگر قبل آئے تھے تو کس سنہ میں، اس کے دریافت کی اشد ضرورت ہے،

بنو تمیم کا وفد، بنو سعد کا وفد، اشعر یمینی کا وفد، اوس کا وفد، مزینہ، اشجع، جہنہ،

معارف:- وفود کی آمد زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، مگر جن وفود کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے ان میں سے بنو تمیم اور بنو سعد کے علاوہ تمام وفود فتح مکہ سے پہلے آئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) بنو تمیم ۹ھ فتح مکہ کے بعد آئے، (ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۲) (۲) بنو سعد، ابن ہشام نے ان کی آمد فتح مکہ کے بعد بتلائی ہے، ابن سعد و صاحب البدایۃ والنہایہ نے ۵ھ کی تصریح کی ہے، زرقانی نے ابن اسحاق کے قول کو جو ابن ہشام میں ہے ترجیح دیا ہے، (۳) مزینہ رجب ۵ھ (ابن سعد ذکر وفود) (۴) اشجع خندق کے سال (۵ھ) آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۵) جہینہ اس کا تذکرہ صرف ابن سعد نے کیا ہے مگر کسی سنہ کی تعیین نہیں کی ہے، اتنی تصریح ضرور ہے کہ فتح مکہ کے پہلے آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۶) اشعرین ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۷) اوس یہ بھی ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۱-و)

باب التقریظ والانتقاد

"ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ"

از جناب سید عبد الباری صاحب ایم اے (عثمانیہ)

حجم ۳۳۰ صفحے، ۳۰×۲۰/۱۶ لکھائی چھپائی، اور کاغذ بہتر، قیمت: ۲ روپے، پتہ منیجر نفیس بک ڈپو حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سیاست میں اقلیتوں کا مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ رہا ہے، وہ بلاشبہ انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے، خواہ وہ جن اغراض سے پیدا کیا گیا ہو، اور آج تک اس کے حل نہ ہونے کے جو وجوہ واسباب رہے ہوں، مگر اب وہ ایک مجسم اور سنجیدہ حقیقت ہے، اس لئے اس کی پچھلی تاریخ بھی نظر انداز کئے جانے کے لائق نہیں، کہ اس کے سمجھنے اور اس کے حل کرنے دونوں میں پس منظر کے طور پر اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے وقت کے اس اہم اور سنجیدہ موضوع پر قلم اٹھایا، اور اس مسئلہ اور اس کے متعلقات کو دیانتداری اور متانت سے اس تصنیف میں پیش کیا،

یوں تو اقلیتوں میں ہندوستان کی چھوٹی بڑی سب اقلیتیں داخل ہیں، لیکن مصنف نے ان سے مراد صرف مسلمانوں اور ان کی فرقہ وارانہ نیابت کو لیا ہے، دوسری اقلیتوں کا ذکر کتاب میں ضمنی طور پر آیا ہے، کتاب چند بابوں میں تقسیم ہے، پہلے باب میں "مسئلہ اقلیت کا تاریخی پس منظر" دکھایا گیا ہے، کہ مغل فرمانرواؤں کے دور میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں میں رواداری، یگانگی، اور ترقی کی رفتار میں توازن قائم تھا، ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد انگریزی حکومت نے اپنی بقا و استحکام کے لئے اقلیت کے مسئلہ کو پیدا کیا، مسلمانوں کو نظر انداز کرکے دونوں قوموں کے توازن کو بگاڑا، مسلمان خصوصاً انگریزی تعلیم اور معاشی حالت میں پچھڑ گئے،

سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب برقرار نہیں رہا، پھر اردو ہندی زبان کا تنازع پیدا کیا گیا، اس کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں میں دو الگ الگ مذہبی، وہابی اور آریہ سماجی تحریکیں چلیں، اور مصنف کے خیال میں اگرچہ یہ تحریکیں برطانوی راج کے خلاف اٹھیں لیکن بنیادی غلطیوں کی وجہ سے ہندو مسلم اختلافات کا ذریعہ بن گئیں" (ص ۶۲) مصنف نے "وہابی" تحریک کے سلسلہ میں دکھایا ہے، کہ

"ابتدا میں ہندوستان میں وہابی تحریک" فرائضی تحریک" کے نام سے اٹھی، جس کے بانی شریعت اللہ صاحب تھے، اس کا مقصد مسلمانوں کے ادنی طبقے خصوصاً مزدوروں اور کاشتکاروں میں بیداری پیدا کرنا، اور احکام الٰہی سے عوام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بعد میں چل کر جب اس تحریک کی باگ ڈور جناب سید احمد بریلوی کے ہاتھ آئی تو یہ تحریک جارحانہ صورت اختیار کرنے لگی، اور تشدد کی وجہ سے جہاں یہ تحریک انگریزوں سے ٹکرا گئی، وہاں ہندوؤں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر کے خائف کر دیا" (ص ۶۲)

ہندوستان کی وہابی تحریک کا مفروضہ رشتہ کسی "فرائضی تحریک" سے بے سند جوڑنا صحیح نہیں، یہ صرف دشمن تحریک جیمس اوکنلے کے ذہن کی پیداوار ہے، علمی حلقہ میں اس کا یہ نظریہ قبول نہیں کیا گیا، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "فرائضی" پر جو مقالہ ہے، اس میں اس کا ذکر تک نہیں آیا ہے، ہندوستان کی وہابی تحریک کا رشتہ اگر جوڑا جا سکتا ہے، تو اس عہد کی نجدی تحریک سے ورنہ دراصل یہ دینی تحریک تجدید و احیاے دین کی ایک مستقل تحریک تھی، توحید خالص کی تبلیغ اور بدعات کا استیصال اس دعوت کے بنیادی اجزا تھے، اس کے بعد جہاد کا جو علم بلند ہوا تو وہ ہندوؤں کے خلاف نہ تھا، بلکہ پنجاب میں سکھ حکومت کے ان مظالم کے خلاف تھا، جو وہ وہاں برپا کئے ہوئے تھی، وہاں مسلمانوں کی مسجدیں اور عبادتگاہیں تک محفوظ نہ تھیں، اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ سکھ مسلم اختلافات کی بنیاد تو کہا جا سکتا ہے، ہندو مسلم اختلافات کی بنیاد بتانا صحیح نہ ہوگا کہ اس تحریک کے سلسلہ میں ہندو مسلم اختلاف کا کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی انگریزی حکومت خود مقابلہ میں آ گئی اور اپنی سازشوں سے اس تحریک کو ناکام کرنے میں کامیاب ہوئی، پھر سازش کے مقدمات قائم کر کے اس کو ختم کر دیا،

بہر حال مصنف نے اسی سلسلہ میں دکھایا ہے کہ جب ایک طبقہ یا فرقہ طاقتور ہو گیا تو اس کی قوت کو بے اثر کرنے کے لئے دوسرے کمزور فرقوں کو لا کر کھڑا کر دیا گیا، اس طرح سامراج نے مختلف طبقوں کے توازن اور کبھی عدم توازن سے اپنی بنیاد مستحکم کی، چنانچہ جب اصلاحات کا دور آیا، تو مسلمانوں میں اپنی کمی اور کمزوری کا احساس پیدا ہو چکا تھا، اور وہ حکومت کی شہ سے ملک کی قومی تحریک کو شک اور شبہہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے، ان میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی، یا پیدا کی گئی، جو ملک کی عام سیاسی ترقی سے پہلے تحفظات چاہتی تھی، یہاں تک کہ اس نے نیابتی اداروں تک کی مخالفت کی، کہ آبادی کے مختلف طبقات کا تعلیمی و معاشی زندگی میں توازن بگڑ چکا ہے اس لئے انتخابات کا اصول ہندوستان کے لئے موزوں نہیں، جمہوری اداروں کی ترویج کے لئے جس ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان میں اس کا فقدان ہے، لیکن جب ملک کی قومی تحریک میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا تو حکومت نے سپر ڈالی، اصلاحات دینے کا اعلان کیا، اور عین اسی زمانہ میں ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کے خلاف، ایک مفاد کو دوسرے مفاد کے خلاف، اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کے خلاف کامیابی کے ساتھ کھڑا کیا گیا، ملک میں فرقہ وارانہ ہنگامے برپا ہوئے، اور پھر جب اصلاحات نافذ ہوئے، حکومت اسی حکمت عملی کو کامیابی سے کام میں لاتی رہی،

مصنف نے ملک میں اصلاحات کے دیئے جانے کے مختلف دوروں اور ان زمانوں میں اقلیت کے مسائل اور ان کے حل کرنے کی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا اندازہ کتاب کے مختلف بابوں کے عنوانات سے کیا جا سکتا ہو مثلاً:-

"نیابتی اداروں کی ترویج اور مسئلہ اقلیت میں پیچیدگی" "بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی سامراج کو ہندوستان میں خطرہ اور فرقہ واریت کی ابتدا" "مسلمانوں کے مطالبات اور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات" "ہندوؤں اور مسلمانوں کا سیاسی اتحاد اور اس کے محرکات، میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء" "۱۹۱۹ء کی اصلاحات اور اقلیتیں" "فرقہ وارانہ اتحاد کی جدوجہد ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء، فرقہ وارانہ مسائل اور قانون حکومت ہند

۱۹۳۵ء، ہندو مسلم اختلافات کے حقیقی اسباب" اور "مسئلۂ اقلیت کی موجودہ صورت حال از ۱۹۳۵ء
تا ۱۹۴۶ء" مصنف نے ان عنوانون پر سیر حاصل مباحث درج کئے ہین، اور اصلاحات کے نفاذ کے
وقت ملک مین جو سیاسی محرکات کام کرتے رہے، اُن کو بھی نمایان کیا ہے، ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ
کے خوشگوار اثرات چند سال تک قائم رہے، اور مختلف سیاسی جماعتون کے جلسے ایک مقام پر ایک
ساتھ ہوتے رہے، پھر تحریک خلافت و ترک موالات کے کمزور ہونے کے بعد ملک مین نا اتفاقی کی فضا
پیدا ہوئی، فرقہ وارانہ اتحاد کی بار بار ملکی کانفرنسین اور لندن کی گول میز کانفرنسین بھی ان دونون
قومون کو متحد نہ کر سکین، یہان تک کہ پنجاب اور بنگال کی مجالسِ مقننہ مین صرف ایک زائد نشست
کے لئے ہندو اور سکھ مندوبین نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر مسلمانون کی مخلوط حلقہ ہاے
انتخاب کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، اگر یہ پیشکش قبول کر لی جاتی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی؛

آخر مین ہندوستان مین مسئلۂ اقلیت کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالی ہو کہ اس کی تاریخ تین دورون
مین تقسیم کیجا سکتی ہو، پہلا دور انگریزی حکومت کے آغاز سے اُنیسوین صدی کے اختتام تک ہے، جس مین
مختلف طبقات کا معاشی و تعلیمی توازن بگڑا، اور مسلمانون مین اس کا احساس پیدا ہوا، دوسرا دور ۱۹۰۹ء
کی اصلاحات سے ۱۹۳۵ء تک رہا، جب کہ جداگانہ نیابت کو دستور مین جگہ ملی، اور مختلف اقلیتون پست
اقوام، پارسی، اور اینگلو انڈینس وغیرہ کو اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس ہوا، اس دور میں اکثریت
اور مختلف اقلیتون مین باہم کشمکش جاری رہی، تیسرا اہم اور فیصلہ کن دور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۶ء تک کا
ہے، جب کہ مسلمانون کی طرف سے اُن کے اقلیت ہونے کے بجائے ایک علٰحدہ قوم (نیشن) ہونے کا
اعلان ہوا، پھر دوسرے طبقون پست اقوام اور مرہٹون نے بھی اپنی جداگانہ قومیت کا اعلان
کیا، جداگانہ قومیت کے اعلان سے قوم سے علٰحدگی یعنی خود ارادیت کا کامل حق اور دوسرون
کے اقتدار اعلیٰ مین جانے سے سبکدوشی حاصل ہوتی ہے،

کتاب کے یہ مباحث پہلی شملہ کانفرنس پر ملا کر ختم کر دیئے گئے ہین، ان دنون ملک مین مجلس
دستور ساز بیٹھی ہوئی ہے، اور سال دو سال کے اندر یہ مسائل اپنے آخری فیصلہ پر پہنچنے والے ہین،
اب اگرچہ اکثریت اصُولاً نہ صرف صوبون بلکہ منطقون کے حق خود ارادیت کو قبول کر چکی ہے، باین ہمہ
ابھی اقلیتین اکثریت کو خوف و شبہہ کی نظر سے دیکھتی ہین، کہ آزاد ہندوستان مین اُن کے مفاد اور حقوق
کی نگہبانی کی کوئی ضمانت نہین ہے، اس لئے اگر مجلس دستور ساز مین ہندوستان کے ہندو اور مسلمان
مدبرین سر جوڑ کر بیٹھین، اور کوئی فیصلہ کر کے اٹھنے کا تہیہ کر لین تو دلون کے شکوک و شبہات بھی
مجلس کے تیار کئے ہوئے دستور کے پائدار نقوش سے مٹ سکتے ہین، اور ہندوستان مین اقلیتون
کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے،

مصنف نے ان مباحث کے لکھنے مین اس موضوع کی مستند کتابون "مسئلۂ اقلیت" کے، بی،
کرشنا، "ہندو مسلم مسائل" بینی پرشاد، "تقسیم ہند" امبیدکر، معاہدۂ ہند و برطانیہ" سر سلطان، "مسلم
ہندوستان" محمد نعمان، اور سرکاری دستاویزات، مختلف کمیشنون کی رپورٹون، مختلف قومی فرقہ وارانہ
جماعتون کی تاریخ، خطبات صدارت، اور مختلف برطانوی مدبرین کی مستند تحریرون سے معلومات اخذ
کئے ہیں، اس لئے دراصل اردو مین یہ اس موضوع پر پہلی جامع اور لائق اعتماد تصنیف ہے،

یہ کتاب جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کی سند کے لئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس مین "طالب علمانہ دور"
کی بعض نشانیان بھی باقی رہ گئی ہین، تو کوئی تعجب کی بات نہین، مثلاً مدعا کے ظاہر کرنے مین چند ہی
سطرون مین ایک ہی بات کا بار بار تکرار جیسے ص ۶۳، ۶۴ مین، اسی طرح عبارت میں "اگرچہ کہ"
یا ایسے ہی بعض الفاظ سے نگاہون کو کھٹک ہوتی ہے، لیکن یہ جزئی کوتاہیان طبع ثانی مین مصنف کے
قلم سے خود دور ہو جائین گی، امید ہے کہ یہ کتاب ملک کے تعلیم یافتہ طبقون مین مقبول ہو گی، کہ سنجیدہ
موضوعون پر ایسی کتابین اردو مین شاذ و نادر نکلتی ہین،

"س"

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کا نظام زر، از جناب ڈاکٹر انور اقبال قریشی، حجم ۲۹۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ لکھائی چھپائی بہتر قیمت ۵ر پتہ:- ادارہ معاشیات، فاطمہ منزل حمایت نگر، حیدر آباد، دکن،

جناب مصنف اپنی تصنیف "اسلام اور سود" کے ذریعہ ملک کے علمی حلقون مین روشناس ہو چکے ہین، معاشیات مین "ہندوستان کا نظام زر" ان کی دوسری قابل قدر تصنیف ہے، کتاب کا پہلا باب "زر کے چند ضروری معلومات" کے عنوان سے ہے، جس کے مطالعہ سے اس موضوع کے مسائل کے سمجھنے کی راہ کھل جاتی ہے، اس کے بعد ہندوستان مین برطانوی حکومت کے آغاز سے دور حاضر تک کے زر کے مسائل جس طریق پر حل کئے گئے، انگلستان یا حکومت ہند کی طرف سے نظام زر کے لئے جو کمیشن بیٹھے، ان مین جو شہادتین گذرین، اور انھون نے جو سفارشات کئے، پہلے بڑی لڑائی کے جو اثرات ہندوستان کے سکہ پر پہنچے، اور ہندوستانی سکون کے انگلستان کے سکون سے شرح تبادلہ قائم کرنے مین جو منزلین پیش آتی رہین، ان کو مختلف ابواب مین تفصیل سے دکھایا ہے، نیز اسی سلسلہ مین ہندوستانی سکون کے مختلف معیار قرار پانے، اور وقتاً فوقتاً مختلف قیمت کے نوٹ جاری ہونے، پھر ۱۹۳۱ء مین کساد بازاری کے پھیلنے اور پچھلی بڑی لڑائی کے اثرات ملکی سکہ پر اور اس کے نتائج کو ملک کی معیشت پر دکھایا ہے، مصنف نے ملک مین موجودہ گرانی کا سبب افراط زر کو قرار دیا ہے، اور اس کے وجوہ کی ماہرانہ تحلیل کی ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے افراط زر کا سبب نہ زر کی طلب کا بڑھ جانا ہے، نہ پیدائش کی مجموعی مقدار مین اضافہ کا ہونا ہے، اور نہ ایسی صورت پیش آئی، کہ اشیاء کی درآمد برآمد پر تجاوز کر گئی ہو، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ ہندوستان نے جنگ کے

زمانہ مین انگلستان کو جو مال دیا، اس کی قیمت اسٹرلنگ کی شکل مین انگلستان مین رکھ لی گئی، اور ہندوستان کا ریزرو بنک قانوناً پابند رہا کہ ان کے ہم قدر نوٹ چھاپ کر ان کو ہندوستان مین گردش مین لے آئے، اس طرح خریداری کا کام انگلستان کا رہا، اور مال مہیا کرنے اور قیمت کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہندوستان ہی کے سر رہی، اس طریق سے جنگ کے تیسرے سال مین نوٹون کی تعداد مین ۵۰ فی صد کا اضافہ ہوا، چوتھے سال ۱۵۰ء۵ ہو گیا، اور پانچوین سال مین اس اضافہ کی تعداد ۲۰۰ فی صد تک پہنچ گئی، اس افراط زر سے ملک کی معیشت متاثر ہوئی، اشیاء کی قیمتون مین تناسب برقرار نہین رہا، اس مین روز افزون تیزی آتی گئی، یہان تک کہ اشیاء کی قیمتین ۲۳۵ء۵ یعنی تقریباً ڈھائی گنی بڑھ گئین،

پھر مصنف نے افراط زر اور قیمتون کے تناسب کے بگڑنے سے ملک کے مختلف طبقات کے مختلف انداز مین متاثر ہونے کو دکھایا ہے، کہ سب سے زیادہ خسارہ معین آمدنی والون مثلاً ملازمت پیشہ طبقہ کو اٹھانا پڑا، اُن کی تنخواہون مین جو اضافے ہوئے، یا گرانی الاؤنس ملے، وہ قیمتون کے اضافہ کے مقابلہ مین برائے نام تھے، اسی طرح مزدور طبقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہا، اجرتون اور قیمتون مین مسلسل دوڑ ہوتی رہی، اور اس دوڑ مین اجرتین ہمیشہ بہت پیچھے رہین، البتہ کاروباری طبقہ کو من مانی منفعت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود طبقہ کے ہاتھون مین آگئی،

اس کے بعد مصنف نے افراط زر کے انسداد کی تدبیرون پر تفصیل سے نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلہ مین اپنی ایسی تجویزین پیش کی ہین، جن کو اختیار کرکے افراط زر کا انسداد کیا جا سکتا ہے، اور ملک کو کسی خسارہ مین مبتلا کئے بغیر یہان کی معیشت کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے،

مصنف نے آخر مین ان بین الاقوامی کانفرنسون کی کوششون کا جائزہ لیا ہے، جن میں دور حاضر مین بین الاقوامی تجارت اور شرح مبادلہ کے مسائل پر غور کیا گیا ہے، اور اسی سلسلہ مین مختلف ملکون کے منصوبون کا ذکر آیا ہے، اور بین الاقوامی زر کے فنڈ اور بین الاقوامی بنک کی تحریکون کو دکھایا گیا ہے، آخر بھی

باب "ہندوستان کے شرح مبادلہ کا مستقبل" کے عنوان سے ہے، جس مین قیاسی طور پر ان صورتون کو پیش کیا ہے جو جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو زر کے سلسلہ مین پیش آنے والی تھین، یہ کتاب فروری ۱۹۴۵ء کی لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد دو سال کے اثنا مین جنگ ختم ہو چکی، ہندوستان کی مرکزی حکومت بدل گئی، اور نئی حکومت نئی حکمت عملی اختیار کر چکی ہے، ضرورت ہے کہ لائق مصنف اپنی ان تجویزون کی روشنی مین جن کو انھون نے آخری باب مین پیش کیا ہے، ہندوستان کے اس دو سالہ دور مین زر کے متعلق حکومت کی حکمت عملی اور اقدامات کا جائزہ ایک مقالہ کی صورت مین لین، اور اس کتاب کے طبع ثانی مین اس کو بطور استدراک بڑھائین کہ کتاب کے مباحث اپنے نتیجہ پر اس صورت مین زیادہ بہتر طریق پر ختم ہون گے، ہم لائق مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، کہ معاشی مسائل عموماً خشک اور روکھے پھیکے ہوتے ہین، اور ان مین بھی زر کا مسئلہ اور بھی زیادہ خشک ہے، لیکن اُن کی مساعی سے یہ مسائل اس تصنیف مین عام فہم سلیس اور سادہ زبان اور دلآویز پیرایہ مین قلمبند ہو گئے ہین،

منشور اقوام متحدہ از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون، جامعہ عثمانیہ، حجم ۶۵ صفحے،
تقطیع [illegible] قیمت :- ۸ر پتہ :- حیدری گشتی کتب خانہ رسالہ عبد اللہ حیدرآباد دکن،

پہلی بڑی لڑائی کے نتیجہ مین مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوئی تھی، دوسری بڑی لڑائی کے بعد مجلس اقوام متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن) کی تاسیس عمل مین آئی ہے، اس مجلس مین دنیا کے متفقہ عناصر کا چند متحدہ مقاصد کے لئے اجتماع ہو گیا ہے، اور پچھلی مجلس اقوام کے برخلاف اسلحہ سے بھی آراستہ ہوگی، اس لئے اس کی حیثیت اس سے کسی قدر مختلف ہے، اور ابھی ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی نزاع مین اس کی جو روش رہی اس سے اس کے خوشگوار مستقبل کی ایک ہلکی سی اُمید بندھ سکتی ہے، یون تو اس مجلس کے منشور، قوانین وضوابط بعض سیاسی رسالون مین اردو مین منتقل ہو چکے ہین، لیکن اس کی سیاسی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کسی غیر معمولی ذمہ دار قلم سے اس کے متن کو اردو کا جامہ پہنایا جائے، جناب ڈاکٹر

محمد حمید اللہ صاحب جو جامعہ عثمانیہ مین "قانون بین الاقوام" کے استاذ ہین، اس خدمت کے لئے موزون ترین شخصیت ہو سکتے تھے، خوشی کی بات ہے، کہ انھون نے اس ضرورت کو پورا کیا، اور سلیس اردو مین اس کو منتقل کر دیا، موصوف نے منشور کے متن کے ترجمہ سے پہلے چند صفحے مقدمہ کے طور پر لکھے ہین جس مین نظام عالم مین یک جہتی اور انضمام پیدا کرنے کی پچھلی کوششون کا جائزہ لیا گیا ہے، اور مختلف زبانون مین عیسائیت، یورپ اور عالم کے اتحاد کے نام پر جو کوششین ہوئی ہین، ان کو ترتیب سے پیش کیا ہے، عیسائیت کے اتحاد کی کوششون مین اس متحدہ کانفرنس کا ذکر نہین آیا، جو ۱۹۰۶ء مین اٹلی مین ہوئی تھی، اور جس مین اسلامی ممالک کو عیسائی ممالک بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اسی طرح مصنف نے "اتحاد یورپ" کی تحریک کے آغاز کو ۱۶۰۶ء مین دکھایا ہے، لیکن اس کا سُراغ اس سے بہت پہلے ۴۷۸ ق م مین مل سکتا ہے جب جزیرہ ڈیلوس مین یونان کی بحری ریاستون کے نمایندون نے جمع ہو کر "ایتھنز" کی صدارت مین ایک انجمن قائم کی، اور ایک دستور العمل بنایا کہ بحیرۂ ایجین کی حفاظت حکومت اسپارٹا سے کی جائے، اور اس مجلس مین شریک ہونے والی ریاستین ایک معین رقم اور جہازون کی ایک معین تعداد حکومت ایتھنز کو دین، پھر آگے چل کر ان اتحادیون کی حیثیت خراج گذار ماتحتون کی سی ہو گئی، یہانتک کہ اگر کسی نے حلقہ اتحاد سے نکلنا چاہا، تو اس کو باغی قرار دیکر سزا دی گئی،

امید ہے کہ اس منشور کے متن کا یہ ذمہ دارانہ اردو ترجمہ اردو کے کتب خانون کے لئے خاص طور پر منگایا جائے گا،

تبلیغ حق :- ترجمہ مولوی محمد علی صاحب مظفری حجم ۱۹۹ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت عار
پتہ :- ادارۂ اشاعت اسلامیات، حیدرآباد دکن،

"تبلیغ حق" ایک فارسی رسالہ البلاغ المبین کا اردو ترجمہ ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کی فہرست مین اس

رسالہ کا انتساب راقم سطور کی نظر سے نہین گذرا، اس رسالہ مین توحید کی تلقین وشرک سے اجتناب کی ہدایت کرکے مسلمانون مین رائج بدعات ورسوم کا رد کیا گیا ہے، اور کتاب وسنت کے مطابق صحیح عقائد واعمال کی طرف دعوت دی گئی ہے، ناشر نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہون، وہ محصول ڈاک بھیج کر ہدیۃً منگا سکتے ہین،

خانہ جنگی، از جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) حجم ۱۰۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۱۲/ پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی،

شاہجہان کے دور مین دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان جو خانہ جنگی برپا ہوئی تھی اس کو اس رسالہ مین ڈرامہ کی شکل مین قلمبند کیا گیا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات دکھائے گئے ہین، اس سلسلہ مین شیخ سرمد کا ذکر اس تفصیل سے آیا ہے، کہ بظاہر اس ڈرامہ کا اصل موضوع یہی معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ مین شیخ سرمد اور دارا شکوہ کے تعلقات، شیخ سرمد کے سوانح، مقدمۂ قتل، ملا ابوالقاسم کی شیخ سرمد کی حمایت کرنے کی سبق آموز جرأت، ملا ابوالقاسم اور عالمگیر کے مکالمہ اور شیخ سرمد کے قتل گاہ کے مناظر کو خاص طور پر نمایان کیا گیا ہے،

اسلام کے مشہور سپہ سالار (حصہ اول) از جناب عبدالواحد صاحب سندھی حجم ۲۴۶ صفحے، قیمت مجلد ۲/ پتہ :- بک ڈپو انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی،

مصنف نے اسلام کے مشہور سپہ سالارون کے حالات آسان زبان اور سادہ طرز ادا مین بچون کے لئے لکھے ہین، اس سلسلہ کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے جس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سات مشہور صحابۂ کرام کی مجاہدانہ زندگی دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہے، رسالہ بچون کے لئے مفید ہے،

"س"

جلد ۵۹ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۷ء عدد ۲

مضامین